ماہنامہ

المُرشِد

اللہ
رسول
محمد

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ۔

حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں
کہ جس مجلس میں بیٹھ کر انسان نے اللہ کو یاد نہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجا
وہ وقت، مال اور جگہ اس کے لیے وبال جان بن جائیں گے پھر اللہ چاہے تو
اسے عذاب دے، چاہے تو معاف کردے۔

مارچ 2015ء
جمادی الاوّل 1436ھ

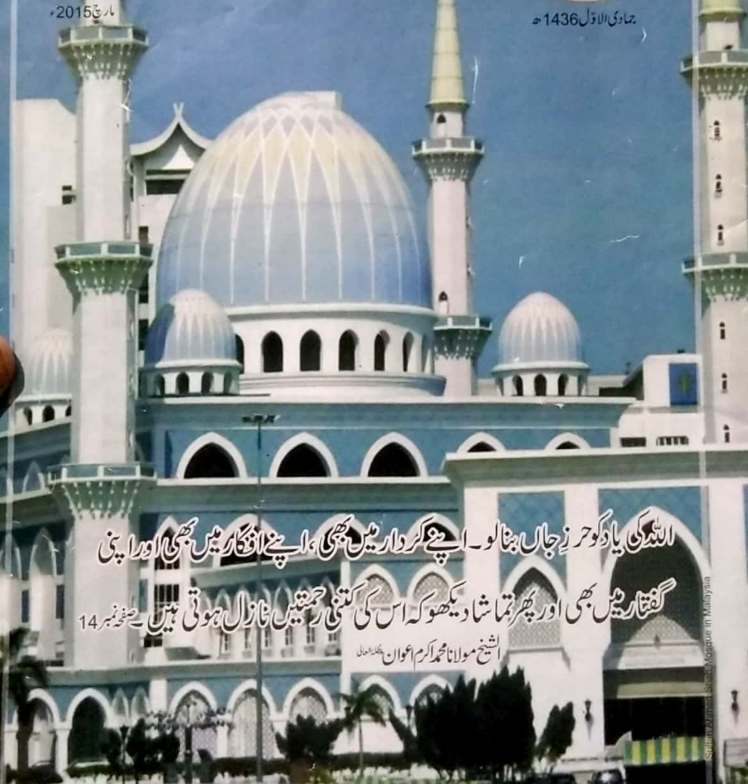

اللہ کی یاد کو حرزِ جاں بنالو۔ اپنے کردار میں بھی، اپنے افکار میں بھی اور اپنی
گفتار میں بھی اور پھر تماشا دیکھو کہ اس کی کتنی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ صفحہ نمبر 14

الشیخ مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

Sultan Ahmed Shah Mosque in Malaysia

تصوف

تصوف

تصوف زندگی کے سفر کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار کرنے کا فطری اور آسان ذریعہ ہے۔ روحِ انسانی وجودِ انسانی کی سواری پر اس عالمِ آب وگل میں سفر کرتی ہے۔ دُنیا انتہائی خوبصورت، دلفریب اور حسین ہے۔ مادّی حواس سے محسوس کی جاتی ہے۔ دُنیا کی لذتیں محسوس کرنا اور اس کی طلب کرنا نفسِ انسانی کا کام ہے جو مادّہ ہے۔ روح سوار ہے، اگر سوار غافل ہو جائے تو سواری بے لگام ہو جاتی ہے، اور بے لگام سواری وہاں جاتی ہے جہاں جانا چاہتی ہے، وہاں نہیں جاتی جہاں سوار کی منشا ہوتی ہے۔ دُنیا میں زندگی کا سفر خوشگوار تب ہی ہو سکتا ہے اگر منزل کی طرف ہو، سوار بھی بیدار ہو، راستے کی گھاٹیاں، گڑھے اور ناہمواریوں سے واقف ہو۔ اس سفر میں ایک راہبر میسّر آ جائے تو نہ صرف خود منزل سے آشنا ہو بلکہ سوار کو تمام مراحلِ سفر میں بیدار بھی رکھے، ہوشیار بھی رکھے، سفر پر گامزن بھی رکھے اور پُرخطر مقامات سے بچا کر منزل سے واصل کر دے۔ انسانی روح کے سفر میں یہ راہبر ہیں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم، جنہوں نے دشمنوں کو گرمجوش دوست بنا دیا۔ سوار کو اتنا بیدار کر دیا کہ سواری کی حیثیت فنا ہو گئی۔ وجود بھی منور ہو گیا۔ چونکہ قیامت تک ہر آنے والے سوار کو یہ نور، یہ بیداری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے ہی ملنی ہے لہٰذا ہر دور میں آپؐ کے حقیقی متبعین اس راہبری کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، آج بھی دے رہے ہیں اور ان شاء اللہ دیتے رہیں گے۔ ان متبعین کو مشائخ کہا جاتا ہے اور روح کی بیداری اور منزل کی جانب سفر کو تصوف کہا جاتا ہے۔ اگر یہ اہتمام نہ کیا جائے تو نفس منہ زور گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑتا ہے اور خواہشات کے بیابانوں میں سوار کو بھگاتے بھگاتے ضائع کر دیتا ہے۔ یوں عمرِ عزیز منزل سے دُور ویرانوں میں ضائع ہو جاتی ہے۔ شیخِ کامل کی تلاش ہماری بنیادی ضرورت ہے اگر ہمیں منزلِ مقصود پر پہنچنے کی اہمیت کا احساس ہو!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

مارچ 2015ء، جمادی اول/1436ھ

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

جلد نمبر 36 شمارہ نمبر 07

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
کلام شیخ	سیماب اویسی	5
اقوال شیخ	انتخاب	6
طریقہ ذکر		7
قرب الٰہی	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	15
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	20
سوال وجواب	الشیخ مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	30
فریضہ حج	حیات جاوداں سے اقتباس	35
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	41
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	46
مساعی جمیلہ	الاخوات، لاہور	48
طب (سیب)	حکیم عبدالماجد اعوان	51
Question and Answers Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	52
A LIFE ETERNAL CH:23 & 24	Abul Ahmadain Translated: Naseem Mailk	57

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph: 042-35180381
Mob:0303-4409395' Email:monthlyalmurshed@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع
یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, Fax:0543-562198 Email:darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ:46)

یہ بھی شانِ ربُوبیت کے لیے ضروری ہے کہ قیامت قائم ہو، نتائج سامنے آئیں اور نیک و بد اثرات مرتب کیے جائیں اسی وجہ سے یہاں مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ فرمایا گیا ہے کہ یہ تمام امورصعنت ربُوبیت کا اظہار ہیں لہٰذا کیفیات کو محسوس کرنے کے لیے زندگی شرط ہے۔ مردوں کو گرمی، سردی، رنج اور خوشی سے کیا سروکار۔ تو دِل بھی جب محسوس کرے گا جب زندہ ہوگا۔ یہ دِل ہی کی بے حسی ہے کہ عبادات متروک ہیں، اگر مردہ نہیں تو بے ہوش ضرور ہے اور اکثر یہی بے ہوشی موت پر منتج ہوتی ہے اور لوگ نئے اور باطل مذاہب کے جال میں پھنس جاتے ہیں اس لیے کسی ایسے معالج کی ضرورت ہے جو اس فن میں مہارت رکھتا ہو، برکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دِل روشن رکھتا ہو اور دوسرے قلوب تک یہ روشنی پہنچائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو طرح کے فیوض و برکات جاری ہوئے ایک ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوم مجلسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات، ارشادات سے بھی وہی مستفید ہوئے جنھوں نے فیض صحبت پایا۔ ورنہ محض سننے کی حد تک تو کافر بھی شریک ہیں، سو آج بھی اُسی طرح فیض صحبت کی ضرورت ہے ورنہ محض سُنی سنائی سے بات بننے سے رہی جس طرح اقوال وارشادات منتقل ہوتے ہیں۔ اُسی طرح نسلاً بعد نسل فیض صحبت بھی سینوں کو منور کرتا چلا آتا ہے۔ ذرا سلاسل اولیاء اللہ کو دیکھو! سند حدیث کی طرح موجود ہیں۔ ان میں کوئی شخص جو واقعی سینہ منور رکھتا ہو اور دل کو جگا سکتا ہو مل جائے تو بات بنے خشوع بھی نصیب ہو، لقائے الٰہی پہ یقین حاصل ہو اور انسانی افعال کے نتائج اُخرویہ پہ نگاہ رکھنے کی اہلیت پالے، ورنہ دُنیا اور آرام ع

ایں خیال است ومحال است وجنُوں

اداریہ

قراردادِ مقاصد اور ان کی تکمیل

مینارِ پاکستان، لاہور فنِ تعمیر کا ایک خوبصورت نمونہ ہی نہیں بلکہ بانگ دہل اس عہد کی یاد دلاتا ہے جب عین اسی جگہ پر آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس 23 مارچ 1940ء میں قراردادِ مقاصد پیش اور منظور کی گئی۔

اجلاس میں یہ قرارداد صوبہ بنگال کے راہنما مولوی فضل الحق صاحب نے پیش کی اور مقاصد کے حصول کی تکمیل کی صورت میں اُس وطن کا نام چوہدری رحمت علی نے پاکستان تجویز کیا۔

اگر اس مطالبے کے محرکات کا اجمالی طور پہ جائزہ لیا جائے تو مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

فرقہ ورانہ فسادات، معاشرتی حالات، زبان وثقافت، سیاست کی وہ رسہ کشی جو ہندو انگریزوں کے تعاون سے کر رہے تھے اور دوقومی نظریہ کے تحت ایک ایسی الگ ریاست جہاں کا نظم ونسق قرآن وسنت کے تحت ہو۔

14 اگست 1947ء وہ دن تھا کہ جس روز ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک آزاد ریاست معرضِ وجود میں آئی جس کے لیے لاکھوں جانوں کا نذرانہ دیا گیا، ہزاروں لاکھوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کی قربانی دی گئی۔ الحمد للہ! مدینہ منورہ کے بعد، اسلام کے نام پر قائم ہونے والی دوسری مملکت کا اعزاز وطنِ عزیز پاکستان کو نصیب ہوا۔

لیکن!

آج اگر مینارِ پاکستان کے روبرو کھڑے ہو کر اس یادگار قراردادِ پاکستان سے مقاصد اور حصول کا سوال کیا جائے تو جواب میں قرآنِ پاک کی یہ آیہ کریمہ یاد آتی ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا (النجم:29)

جو ہماری یاد سے رُوگردانی کرے آپ بھی اس سے رخِ انور پھیر لیجیے۔

مرضیاتِ باری تعالیٰ کی بجائے جب ہم نے مرضیاتِ ذاتی کو فوقیت دے دی تو جن فرقہ ورانہ فسادات سے نجات چاہتے تھے وہ نہ صرف تواتر سے موجود رہے بلکہ بڑھ بھی گئے اور جس ہندو سماج کے معاشرتی حالات کو پیچھے چھوڑنا تھا اُن ہی کی طرح اپنے معاشرے کو نجانے کتنی درجہ بندیوں میں منقسم کر دیا۔ زبان وثقافت کی زبوں حالی کا تو یہ حال ہے کہ اگر قومی دن بھی ہو اور قوم کا سربراہ اپنی قوم سے مخاطب ہو تو بھی ترجیح زبانِ غیر کو ہے اور سیاسی نظام! جسے ہندو اور انگریز کی سازش سے نجات حاصل کر کے ملک وقوم کی ترقی کے لیے قائم کرنا تھا اس میں ہم اس درجہ کو پہنچ چکے ہیں کہ ہر جائز وناجائز انداز کو اور ہر جھوٹ اور فریب کو تحفظ دینے کے لیے یہاں تک کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو سیاست ہے۔

اللہ کی ذات رب العالمین ہے اور نبی کریم ﷺ کی ذات، اللہ نے رحمۃ للعالمین پیدا فرمائی ہے اور بلاشبہ ہمارے آج کے حالات پہلے بیان کی گئی آیت کی ترجمانی کرتے ہیں کہ ہم نے رب العالمین سے تعلق توڑا ہے اور رب العالمین نے رحمۃ للعالمین سے فرمایا ہے کہ آپ رخِ انور پھیر لیجیے۔

اب عوام وخواص تک ایک ہی سوال ہے کہ وہ کون ہو گا جو ہمارے حالات بہتر کردے؟ حیران کن بات تو یہ ہے کہ جتنا بڑا یا گھمبیر یہ سوال سمجھا جاتا ہے اُتنا ہی آسان اس کا جواب ہے۔

اور جواب ہے "آپ خود"

آؤ کہ اللہ جل شانہٗ سے کیے گئے عہد

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کو اپنی زندگیوں پہ نافذ کریں۔ ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہر بندۂ مومن اور اس وطنِ عزیز کا ہر باسی اپنے اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کرے پھر ہم اُن حالات کو حاصل کر سکتے ہیں جس کی نشاندہی حضرت مدظلہ العالی نے کچھ یوں بیان فرمائی ہے۔

میرا بھی نام ہے، میں ہوں غلام آقا ﷺ کا
میں اُن کے زیرِ قدم ہوں، میں بے مقام نہیں

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر		سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدہ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کیسے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضانِ نظر ہے۔ اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔"

نعت

نعت لکھنے کا قرینہ چاہیے
نور ہو جس میں وہ سینہ چاہیے

ہو بدن روئے زمین پر جس جگہ
دل میں بسا ہو مدینہ چاہیے

حلقۂ افکار ہو روشن ضرور
نام ہو انؐ کا نگینہ چاہیے

عرش کی راہوں پہ ہیں اُنؐ کے نقوش
دیکھنا جاکر وہ زینہ چاہیے

ہے برستا نور ان کے نام سے
دِل میں اس کا اِک خزینہ چاہیے

زندگی مانند گردابِ بلا
نام کا انؐ کے سفینہ چاہیے

نعت شعروں میں نہیں لکھتے فقیر
اس کی خاطر چاک سینہ چاہیے

حمد و نعت سے ماخوذ

اقوالِ شیخ

(1) محبت ایک رشتہ ہے جو اغراض سے پاک ہو جو اُن دو دلوں کے درمیان قائم ہوتا ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے آباد ہوتے ہیں۔

(2) پیر کا کام ہمارے مال کی، ہماری جان کی حفاظت کرنا نہیں ہے یہ اللہ کا کام ہے۔ پیر کا کام یہ ہے ہمارے عقیدے میں جو ٹیڑھا پن ہے اسے نکال کر سیدھا کر دے۔ ہمارے کردار کا ٹیڑھا پن سیدھا کر دے۔

(3) اپنے آپ کو کلی طور پر سچا سمجھ لینا اور دوسرے کو بالکل جھوٹا اور غلط سمجھ لینے سے فساد ہوتا ہے۔ تھوڑی سی گنجائش رکھیں کہ ہو سکتا ہے مجھ سے بھی غلطی ہو رہی ہو، اس انداز سے دیکھا جائے تو ضد نہیں رہتی اور افہام وتفہیم کا راستہ نکل آتا ہے۔

(4) آج ہر ایک کا دل پریشان ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس میں بندے کے اپنے کردار کے، نفرتوں کے کانٹے ہیں جو چبھ رہے ہیں۔ اللہ کے ذکر سے دل کو پاک رکھو۔ اس میں صرف اللہ ہو تو یہ سکون پا جائے گا۔

(5) انسانی کاوش اپنے کمال کو بھی پالے تو انسان کبھی بھی خالقِ حقیقی کی تخلیق کردہ کسی صنعت جیسا نہیں بنا سکتا۔

(6) قرآنِ حکیم کی طرف متوجہ نہ ہونا غفلت کی نشانی ہے اور غفلت انسان کو برائی کی طرف لے جاتی ہے۔

(7) اللہ کی نعمتیں میسر ہوں تو شکر ادا کرنے کے لیے اطاعت اور عبادت میں زیادہ کوشش کرے۔

(8) اگر شیطان کا ہم پر زور چلتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے ایمان میں کوئی کمی ہے۔

(9) ذکر الٰہی سے مراد اپنی بڑائی نہیں، کرامات کا حصول نہیں، مستجاب الدعوات بننے کی بات نہیں۔ ذکر الٰہی سے مراد صرف رضائے الٰہی ہے کہ اللہ کریم راضی ہو جائیں۔

(10) دنیا کی نعمتیں، باد و باراں اور سورج کی گردش سے پیدا ہوتی ہیں، روح کی نعمتیں انوارات انبیاءؑ اور قرآن کریم کی آیات سے پیدا ہوتی ہیں۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔
شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے کلمۂ سوم، استغفار اور کلمۂ شہادت پڑھ لیں۔ پھر تعوذ اور تسمیہ پڑھ کر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے

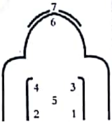

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ماہانہ اجتماع

7 دسمبر 2014ء

قربِ الٰہی۔ مقصدِ حیات

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (الاحزاب:41)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ۔

اللہ کریم ان لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں جو ایمان لائے۔ قرآن کریم میں تین طرح سے خطاب فرمایا گیا ہے۔ کہیں اولادِ آدم کو یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کہہ کر خطاب فرمایا۔ جہاں یہ خطاب ہے جہاں بھی یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ سے خطاب کیا گیا ہے، وہاں عموم پایا جاتا ہے، وہاں ساری انسانیت کی فلاح اور بہتری کے احکام ارشاد ہوتے ہیں اور اس میں انسانیت کی راہنمائی فرمائی جاتی ہے۔ دوسرا خطاب ان لوگوں کو ہے جو عظمتِ الٰہی سے انکاری ہیں، محروم ہیں۔ ان کو یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے جہاں یہ خطاب آتا ہے وہاں غضب الٰہی کی بجلیاں کڑکتی ہیں، اور آگے دوزخ کی اور برے انجام کی وعید ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں تیسری طرح کا خطاب ایمان والوں کے لیے ملتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الاحزاب:41)۔ یہ خطاب محبت الٰہی سے لبریز ہوتا ہے۔ کسی نے کہا تھا کہ

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفان نہیں ہوتا

محبت ہو اور جنوں کی حد تک ہو اور اسی دیوانے کو محبوب مخاطب فرمائے تو پھر کہیں اندازہ ہوتا ہے کہ جب یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الاحزاب:41) خطاب آتا ہے تو اس میں کتنی مٹھاس، کتنا لطف، اور کتنا کرم ہوتا ہے۔ جہاں یہ خطاب آتا ہے وہاں خوبصورت ترین بات بتائی جاتی ہے اور مقصدِ حیات پر بات کی جاتی ہے۔

انسان کے پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے؟ ہماری سمجھ میں یہ بات اس لیے نہیں آتی کہ ہم نے اپنا مقصدِ حیات دنیوی لذات کو، دولت کو، اور اقتدار کو بنالیا ہے۔ پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں عرض کیا جائے کہ اللہ کریم تو نے یہ مخلوق یہ انسان کیوں بنائے، ان کے بنانے کا مقصد کیا ہے؟ انسان تو ایک ایسی مخلوق ہے کہ اللہ کریم نے ساری کائنات کو اس کی خدمت پہ لگا دیا ہے۔

ارشادِ باری ہے خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ:29) جو کچھ زمین پر ہے سب تمہاری خدمت تمہارے استعمال کے لیے ہے۔ انسان کی عظمت کے بارے بیان فرماتے ہوئے علمائے حق نے کوئی پہلو چھوڑا نہیں جس پہ بحث نہ کی ہو، فرماتے ہیں کہ جانور بھی جاندار ہیں، انسان انہیں ذبح کر دیتا ہے، ان کا گوشت کھا جاتا ہے ان کی کھال کے جوتے بناتا ہے، مختلف چیزیں بناتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جو جانور اللہ کے نام پر انسان کے استعمال کے لیے ذبح ہو گئے، ان کے ساتھ زیادتی نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنا مقصدِ حیات پا گئے، اللہ نے انہیں پیدا ہی اس لیے کیا ہے تو یہ انسان جو ساری مخلوق کو استعمال کرتا ہے سورج اور چاند کی روشنی سے لے کر ستاروں کی چھاؤں تک، شجر و حجر سے لے کر ماہیٔ آب تک، زمین کے خزانوں سے لے کر ہواؤں فضاؤں تک ہر چیز کو استعمال کرتا ہے اتنی عظیم مخلوق جو ساری کائنات کو استعمال کر رہی

وہ خود کس کے لئے ہے؟

تفسیر مظہری میں ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں: کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًا میری عظیم ذات ایک پوشیدہ خزانہ تھی۔ انسان سے پہلے بھی مخلوق تھی، فرشتے بھی تھے، زمین پر جنات بھی تھے۔ زمین بھی تھی آسمان بھی تھے جو اللہ نے انسان سے پہلے بنادیئے تھے۔ بے شمار مخلوق تھی لیکن ساری مخلوق حکم کے تابع تھی حاکم کی طرف نگاہ اٹھانے کی کسی میں جرأت نہیں تھی۔ جو حکم ملتا اس کے مطابق ہر کوئی عمل کرتا لیکن حکم دینے والا کون ہے، کیسا ہے؟ یہ جرأت کسی مخلوق میں نہیں تھی۔ تو فرمایا، کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًا اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ میں نے چاہا کہ کوئی میرا جاننے والا بھی ہونا چاہیے۔ یہ سارے تو میرے حکم کے تابع ہیں، کوئی ایسا بھی ہو جو مجھے پہچانتا ہو۔ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ تو میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا۔ انسانوں کو پیدا کر دیا اور انسان کو وہ جرأت رندانہ دی کہ وہ سیدھا سوال کرتا ہے کہ اللہ کون ہے، کہاں ہے، کیسا ہے؟ میرا خالق کیسا ہے، اس کی ذات کیسی ہے، صفات کیسی ہیں؟ وہ اس کے قرب کا خواہاں ہوتا ہے، وہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہے، اس کے روبرو کھڑا ہونا چاہتا ہے، اس کا خطاب سننا چاہتا ہے۔ وہ اپنی گزارشات سنانا چاہتا ہے وہ نیچے نہیں رکتا، سورج سے بات کرلے، ستاروں سے بات کرلے، فرشتوں سے بات کرلے نہیں، وہ کہتا ہے، میرا سفر وہاں ختم ہوگا جہاں میں، ذاتِ باری سے مخاطب ہوں گا۔ انسان واحد مخلوق ہے جسے معرفتِ باری کی استعداد دی گئی ہے اور ہر پیدا ہونے والا یہ استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے: کل مولود یولد علی الفطرۃ ہر پیدا ہونے والا فطری استعداد لے کر پیدا ہوتا ہے پھر دنیا میں آکر والدین، معاشرہ، ماحول یعنی اثر انداز ہونے والے مختلف عوامل اُسے متاثر کرتے ہیں۔

جسے نورِ ایمان نصیب ہوجاتا ہے پھر اس سے خاص باتیں ہوتی ہیں۔ جو انکار کرتا ہے اس سے سختی سے بات کی جاتی ہے، عام انسانوں سے عمومی بات ہوتی ہے، جو ایمان لے آتا ہے اس سے خاص اور راز کی باتیں ہوتی ہیں۔ مقصدِ حیات ہے قربِ الٰہی کو پانا۔ تو فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (الاحزاب: 41) اے ایمان والو! کثرت سے ذکر کرو۔ اللہ کی ذات وراء الوراء ہے۔ مخلوق جتنی بھی کامل ہو پھر مخلوق ہے، خالق کا مخلوق سے کیا میل۔ مخلوق تو خالق کو پہچاننے سے بھی قاصر ہے، جاننے سے بھی قاصر ہے۔ تو فرمایا، ایک ہی راستہ ہے کہ تم ہمہ وقت، ہر آن مجھے یاد کرتے رہو، میرا نام لیتے رہو۔ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (المزمل: 8) اللہ کے ذاتی نام کی اتنی تکرار کرو کہ کائنات محو ہوجائے۔ اور صرف اللہ رہ جائے تو یہاں حکم دیا جارہا ہے اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا اللہ کا ذکر بہت کثرت سے کرو وَسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا (الاحزاب: 42) صبح وشام، علی الدّوام، ہمہ وقت اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ ذکر، سوچ وفکر سے لے کر عمل تک ہر جگہ کو محیط ہے۔ بندۂ مومن جب کوئی کام کرتا ہے تو اس کام میں اسے یاد ہوتا ہے کہ اسے اللہ کے حکم اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق کیا جائے تو عملاً ذکر شمار ہوتا ہے۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، کمانا، اولاد کو پالنا، گھر بنانا سب ذکر ہے بشرطیکہ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، آپ ﷺ کے اتباع کے مطابق ہو۔ اللہ کے منع ہوئے طریقوں سے بچ کر ہو، حرام سے بچ کر ہو تو وہ بھی ذکر ہے۔ باتیں کرنا، کام کرنا حدودِ شرعی کے اندر ہو تو سب ذکرِ الٰہی ہے۔ جس کام کے ساتھ اللہ کی یاد وابستہ ہو، بات کرنے میں بھی یہ خیال ہو کہ شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو، کام کرتے وقت بھی یہ خیال ہے کہ شرعی حدود کے اندر ہو تو وہ کام بھی ذکر ہے کہ اس میں اللہ کی یاد موجود ہے۔ اس سب کے باوجود پھر ارشاد ہوتا ہے۔ ذِکْرًا کَثِیْرًا کثرت سے ذکر اللہ کرو۔ عملی ذکر بھی کرو، ایمان لانا بھی ذکر ہے، نیک بات کرنا بھی ذکر ہے، نیک کام کرنا بھی ذکرِ الٰہی ہے، اس کے باوجود فرمایا، پھر کثرت سے ذکر کرو اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاداتِ عالیہ میں سب سے افضل ترین ذکر جو ملتا ہے وہ ذکرِ قلبی ہے۔

انسانی بدن میں قلب وہ عضو ہے جو شکمِ مادر سے دھڑکنا شروع کرتا ہے اور لبِ گور تک دھڑکتا چلا جاتا ہے۔ بدن میں قلب وہ پہلا عضو ہے جو بنتے ہی اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور موت تک دھڑکتا رہتا ہے انسان جاگتا ہو سوتا ہو، ہوش میں ہو بیہوش ہو جائے، دل دھڑکتا رہتا ہے۔ دل کی ہر دھڑکن میں اللہ کے نام کو بسالینا ذکرِ قلبی کہلاتا ہے۔ تو

فرمایا، میرے ایمان والے بندو! کثرت سے میرا ذکر کرو اور رات دن علی الدوام مجھے یاد کرتے رہو۔ میری عظمت، میری پاکیزگی بیان کرتے رہو۔ آگے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ ایسا کیوں کیا جائے۔ ایسا اس لیے کیا جائے کہ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ۔ وہ ایسا کریم ہے کہ ہمہ وقت تم پر رحمتیں نازل فرماتا رہے گا۔ اس کی بارگاہ میں کبھی کام بند نہیں ہوتا، انقطاع نہیں آتا، کام رکتا نہیں۔ ہمہ وقت یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ تم پر رحمتیں نازل فرماتا رہے گا۔ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ اور اس کے فرشتے ہمہ وقت دست بدعا رہتے ہیں کہ اللہ ایمان والوں پر رحمتیں نازل فرما۔ وہ ذات خود تم پر مسلسل رحمتیں نازل فرماتی ہے اور اس نے فرشتوں کو اس کام پہ لگا دیا ہے کہ تمہارے لیے ہمہ وقت دست بدعا رہیں۔ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ تاکہ دنیا کی تاریکیوں سے نکال کر تمہیں نورِ معرفت میں رکھے، تمہاری زندگی اللہ کی طلب میں بسر ہو۔ تمہارے اٹھنے بیٹھنے میں، تمہاری بول چال میں، تمہاری دوستی دشمنی میں، تمہارے شب وروز میں ہر جگہ تجلیاتِ باری کا اظہار ہو اور نور ہی نور ہو کہیں ظلمت دکھائی نہ دے۔

وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا (الاحزاب: 43) اور وہ ایمان والوں پر تو بہت ہی مہربان ہے۔ اب اس سے بڑی مہربانی کیا ہوگی کہ ہمہ وقت رحمتِ الٰہی برس رہی ہے۔ بارش کی طرح رحمت برستی ہے جیسے بارش برستی ہے تو اچھے خوشنما کھیتوں میں جہاں محنت کی جاتی ہے بیج بویا جاتا ہے۔ فصلیں اگتی ہیں جہاں پھول لگائے جاتے ہیں، پھول اگتے ہیں اور جہاں کوڑے کے ڈھیر ہوتے ہیں وہاں بارش سے مزید بدبو پھیلتی ہے۔ جہاں چٹانیں ہوں ان پر تھوڑی بہت مٹی ہو بھی تو جب بارش برستی ہے تو وہ بھی ڈھل جاتی ہے۔ نتائج ہر چیز کے مختلف آتے ہیں۔ اپنی ذات کے بارے میں فرمایا، اللہ کریم کی رحمت تو ہمہ وقت برستی ہے، فرشتے ہمہ وقت دست بدعا ہیں لیکن تمہاری کھیتی میں سیراب ہونے کی کوئی صلاحیت بھی تو ہو۔ وہ کوئی ایسی حیثیت رکھتی ہو کہ رحمتِ الٰہی کو وصول کرے، پھول کھلیں، جھاڑ جھنکاڑ نہ اُگے، خاردار جھاڑیاں نہ اُگتی ہوں، جنگل نہ بن جائے، درندے نہ بستے ہوں۔ وہ آباد کھیتی بنے جس سے دوسروں کو بھی فائدہ ہو، وہ ایک گلستان بنے جس میں پھول کھلیں۔ تو یہ عمل، ذکر، زبانی ذکر، قلبی ذکر اس لیے ہے کہ تم اپنی کھیتی کو جوتو، جو اللہ کریم نے کرنا ہے وہ تم نے نہیں کروانا، وہ تو خود کر رہا ہے۔ اللہ کے فرشتے تمہارے لیے دست بدعا ہیں اس میں بھی تمہاری کوئی محنت نہیں لگتی لیکن جو سرا (end) قبول کرنے والا ہے جو Receiving end ہے اسی کو زنگ لگا ہوا ہے۔ جب نشریات نشر ہو رہی ہوں لیکن کسی کا سیٹ ہی خراب ہو، تاریں ٹوٹی ہوئی ہوں۔ اِدھر کی اُدھر لگی ہوئی ہوں، الجھی ہوئی ہوں تو جتنے پروگرام چلتے رہیں اس کے سیٹ پر تو کچھ بھی نہیں آئے گا۔ تو فرمایا، تم نے جو محنت کرنی ہے اپنے آپ پر کرنی ہے کہ تم میں ان نعمتوں کو، ان رحمتوں کو قبول کرنے کی، وصول کرنے کی، اُن سے فائدہ حاصل کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے۔

ہم نے اگر حلال کے لیے محنت کرنی ہے، حلال کمانا ہے اور حلال کھانا ہے، حلال رزق سے اولاد کو پالنا ہے تو یہ اللہ پر احسان نہیں ہے۔ ہم اگر پورے خضوع اور خشوع سے نماز پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، تہجد، نوافل، تلاوت و تسبیحات کرتے ہیں تو اللہ پر احسان نہیں ہے۔ ہم اگر نیکی کرتے ہیں، بھلائی کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں اور رات دن کرتے ہیں تو یہ اللہ پر احسان نہیں ہے، یہ ہم اپنی کھیتی پر محنت کر رہے ہیں کہ اس پہ جو بارش برستی ہے اس سے بہترین فصل آئے۔ کاشتکار جب اپنی کھیتی جوتتا ہے، گرمیوں کی دوپہروں میں بھی ہل چلا رہا ہوتا ہے اور بارش بادل میں بھی کھیتی پر کھڑا ہوتا ہے۔ کہیں بیج بنا رہا ہے، کہیں پانی نکال رہا ہے، رات دن محنت کرتا ہے تو کیا اسے احساس ہوتا ہے کہ میں کسی پر احسان کر رہا ہوں، وہ اپنے لیے محنت کر رہا ہوتا ہے۔ یہ جو عبادات اور اذکار ہیں یہ احسان نہیں ہیں، یہ اپنے آپ پر محنت ہے کہ میری کھیتی بہترین پھل لائے۔ بہترین کھیتی اُگے، اس میں پھول کھلیں، خاردار نہ بنے، جنگل نہ بنے، ویرانہ نہ بنے، اس میں جھاڑ جھنکاڑ اور کانٹوں والی جھاڑیاں نہ اُگیں بلکہ بہترین کھیتی اُگے جو دوسروں کے بھی کام آئے۔ ایک کاشتکار کام کرتا ہے تو اللہ کی کتنی مخلوق پلتی ہے، کیڑے، پتنگوں سے لے کر پرندوں تک اور جانوروں سے لے کر انسانوں تک کتنی مخلوق تک وہ رزق جاتا ہے۔ اسی طرح جہاں

اللہ کا ایک بندہ واقعی خلوصِ دل سے یہ مجاہدہ کررہا ہوتا ہے تو آپ نے دیکھا اہل اللہ کے دم قدم سے کتنے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے، کتنے لوگوں کے عقائد درست ہوتے ہیں، اعمال اور کردار درست ہوتے ہیں۔ یہ وہی کاشتکار کی مثال ہے کہ کتنی مخلوق اُس سے مستفید ہوتی ہے۔ یہ ساری محنت ومجاہدہ اس لیے ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے ہر مومن کے لیے جو ہمہ وقت رحمت کی بارش نازل ہورہی ہے، اسے وصول کرنے کی استعداد پیدا ہوجائے۔

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ ہم اپنے عہد کی، آج کی بات کریں تو ہمیں روئے زمین پر ہر جگہ مسلمان ہی پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہے، پریشانیوں میں مبتلا ہے جبکہ اللہ فرماتے ہیں، میں ہر ایمان والے پر ہمہ وقت رحمت نازل کررہا ہوں اور میرے فرشتے ہر وقت اس کے لیے دست بدعا ہیں۔ رحمت کا نزول ہورہا ہے، یہ بھی حق ہے، اللہ کریم کا ارشاد ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ہم تک پہنچایا ہے۔ مسلمان بھی پریشان ہیں، یہ بھی سچ ہے تو گڑبڑ کہاں ہے؟ کہیں مسلمان نے یادِ الٰہی کو چھوڑ تو نہیں دیا، کہیں مسلمان نے رزقِ حلال سے منہ تو نہیں موڑ لیا، کہیں مسلمان نے جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، اور قتل وغارت کرنا تو شروع نہیں کردیا؟ تو قصور کہاں ہے؟ بے شک بیٹھ کر تجزیہ کیجیے گا۔ قصور ہمارا ہے کہ ہم میں قبولیت کی استعداد نہیں رہی، ہم نے اپنا خیال چھوڑ دیا ہے۔ بیشار تحریکیں اٹھتی ہیں، بڑا شور وغوغا ہوتا ہے کہ ہم اصلاح کریں گے، ہم تبدیلی لائیں گے، ہم انقلاب لائیں گے۔ اب جو حضرات دعویٰ کررہے ہوتے ہیں تبدیلی لانے کا، اس دعویٰ کے وقت بھی جوان کا کردار ہوتا ہے وہ خلافِ اسلام ہوتا ہے۔ ناچ گانے ہورہے ہیں، نوجوان لڑکے لڑکیاں مل کر اچھل کود رہے ہیں تو کیا خلافِ اسلام کردار سے قبولیتِ رحمت کی استعداد پیدا ہوگی یا ضائع ہوگی؟ جب ضائع ہوگی تو دکھ برسیں گے یا خوشیاں آئیں گی؟ اصل کام یہ نہیں ہے کہ ہجوم کو اکٹھا کرکے، شور کرکے اقتدار لے لو۔

شداد نے جنت بنائی تھی اُسے جب اس زمانے کے اہلِ علم نے منع کیا کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرو، اُسے کہا تم انسان ہو تمہیں، اللہ کے پاس جانا ہے، وہاں دوزخ کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ اطاعت کروگے تو تمہیں جنت نصیب ہوگی، جنت میں دودھ کی نہریں ہیں، شہد کی نہریں ہیں، سونے چاندی کے مکان ہیں، اسی طرح پھل ہیں۔ اُس نے کہا، میں خود جنت بناسکتا ہوں مجھے اللہ کی جنت کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس نے سونے چاندی کے مکان بنوائے اور جواہرات سے مزین باغات اور سونے چاندی کے درخت بنوائے اُن پر ہیرے جواہرات کے پھل لگائے۔ دودھ اور شہد کی نہریں بنائیں۔ جب اسے اطلاع ملی کہ اس کی جنت مکمل ہوگئی اور وہ اسے ملاحظہ کرسکتا ہے تو معائنہ کے لیے گیا۔ صدر دروازے پر پہنچا، ایک پاؤں دروازے کے اندر، ایک باہر تھا کہ ملک الموت نے روح قبض کرلی، جنت دیکھنی نصیب نہیں ہوئی۔ اپنے طور اس نے پوری کوشش کی کہ جس طرح علماء بتاتے ہیں میں اسی طرح کی جنت بناؤں اور تاریخ میں ملتا ہے کہ ریاست میں اس نے معصوم بچیوں کی بالیاں بھی کانوں سے اتروالی تھیں، لوگوں سے سونا چاندی چھین لیا، مال ودولت جمع کرلیا اور سارا اس پر لگادیا۔ اللہ کی شان عجیب ہے کہ جنت بھی ایسی غائب ہوئی کہ پھر کسی کو مل بھی نہیں سکی۔ اس کے بارے بھی کتابوں میں یہ ہی ملتا ہے کہ اس نے بنائی تھی۔ اس کی موت واقع ہوگئی، اس کے بعد وہ بھی کہیں غائب ہوگئی، اللہ کریم نے نظروں سے چھپادی۔ اس کے بعد اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ کوئی نہیں کہتا کہ اس نے دیکھی ہے۔ اسی طرح ہم رحمتِ الٰہی کو وصول کرنے کے بجائے جب دنیا کی لذتیں، دنیوی اقتدار، دنیوی دولت کے حصول میں کھوجاتے ہیں اور حلال حرام، جائز ناجائز کی پروا نہیں کرتے تو قبولِ رحمت کی استعداد ختم ہوجاتی ہے۔ جب وجود میں، دل میں قبول کرنے کی استعداد ہی نہیں، رحمت سے محروم ہوگئے تو باقی زحمت ہی زحمت ہے۔

بڑے گھر آرام کے لیے بنائے جاتے ہیں، ان میں چین کی نیند نہیں آتی۔ اولاد کو سکھ کے لیے پالا جاتا ہے بڑی ہوکر وہ دشمن بن جاتی ہے۔ دولت جمع کی جاتی ہے اپنے آرام کے لیے، وہ دشمن بن جاتی ہے، اُلٹی مصیبتیں پیدا کردیتی ہے تو یہ سارے کام اُلٹ کیوں جاتے ہیں؟ اس لیے کہ اپنے کردار کے باعث ہم رحمتِ الٰہی سے محروم ہوجاتے

ہیں۔شاید کچھ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی آئے کہ کافر کا تو دل ہی کافر ہے، رحمت قبول کرنے کی استعداد ہی نہیں ہے پھر بھی وہ تو موج کر رہا ہے۔اللہ کریم نے اس کا بڑا خوبصورت جواب دیا ہے قرآن کریم میں کہ یہ میں نے تم پر رحم کیا ہے کہ تم میں بھی انسانی کمزوریاں ہیں اور دولت کے پیچھے سارے اُدھر نہ بھاگ جاؤ۔میں چاہتا تو کافر کے گھر اور اس کے در و دیوار سونے چاندی کے اور اس کی سیڑھیاں سونے چاندی کی لگا دیتا اور اس کے مکان ہیرے جواہرات سے مرصع کر دیتا اس لیے کہ اُس کے لیے یہی دنیا ہے اور اس دنیا کی ہر دولت اسے دکھ ہی دیتی ہے، آرام میں وہ بھی نہیں ہوتا۔اس کے پاس حکومت تو ہوتی ہے، دل کا چین نہیں ہوتا۔دولت تو ہوتی ہے، سکون نہیں ہوتا۔اولاد ہوتی ہے، آبرو نہیں ہوتی۔تو دنیائے کفر میں دیکھ لو آبرو نام کی کوئی شئے ہے؟ جہاں آبرو ہی نہیں ہے وہاں انسانی زندگی کا کوئی تصور ہے؟ جانوروں کی طرح وقت گزار رہے ہیں۔کون کہتا ہے کہ وہ بڑے آرام اور مزے میں ہیں، وہ بڑے دکھ اور تکلیف میں ہیں۔اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ آخرت سے محروم ہو چکے ہیں۔اگر انہیں دنیا کی اتنی محبت ہے، میں چاہتا تو ان کے گھر اور مکان سونے چاندی کے بنا دیتا لیکن یہ میں نے مسلمانوں پر رحم کیا ہے کہ کہیں یہ بھی دولت کے لالچ میں کفر کی طرف نہ چلے جائیں۔انسانی مزاج ایسا ہے کہ انسان میں کمزوریاں ہیں تو ان کمزوریوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ میں نے مسلمانوں پہ احسان کیا ہے۔حقیقی راحت صرف ایمان کے ساتھ ہے، کفر میں راحت نہیں ہے۔بظاہر ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ مزے میں ہیں لیکن کوئی ایک کافر بھی کبھی سکون کی نیند نہیں پاتا۔کوئی نہ کوئی پریشانی، کوئی نہ کوئی دکھ اسے چمٹا رہتا ہے۔تو ان دکھوں سے نکلنے کا، ان پریشانیوں سے جان چھڑانے کا، سکون آرام اور عزت و آبرو پانے کا راستہ یہ ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (الاحزاب: 41)۔اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو ہمہ وقت اللہ، اللہ، اللہ، تمہارا رُواں رُواں اللہ، اللہ، اللہ ذرہ ذرہ، بال بال، اللہ اللہ کرتا رہے وَّ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا (الاحزاب: 42) شب و روز کی مصروفیات میں اسی کی عظمت کا اظہار ہو۔تمہارے ہر کام میں، دن بھر، رات بھر، شب و روز کے تمہارے معمولات میں عظمتِ الٰہی کا اظہار ہو، پتا چلے کہ تم کسی کے بندے ہو اور اس کے حکم کے مطابق کام کر رہے ہو۔اس لیے کہ وہ ذات تو وہ ہے ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ جو ہمیشہ ہمیشہ تم پر رحمتیں نازل فرماتا رہتا ہے، ہمہ وقت تم پر رحمتیں نازل فرما رہا ہے۔وَ مَلٰٓئِکَتُہٗ اور اس نے اپنے فرشتوں کو بھی اس کام پہ لگا رکھا ہے کہ تمہارے لیے دست بدعا ہیں اور رحمت طلب کرتے رہیں۔

لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (الاحزاب: 43)

تاکہ وہ تمہیں ہمیشہ تاریکیوں سے نکال کر نور اور روشنی کی طرف لے جائے۔انسان جب تک دنیا میں رہتا ہے تاریکی اور روشنی اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہے کسی لمحے لغزش ہو سکتی ہے، کوئی قدم تاریکی میں پڑ سکتا ہے، کوئی کام خلافِ سنت ہو جاتا ہے، کوئی کام شریعت کے خلاف ہو جاتا ہے تو اللہ کریم محروم نہیں فرماتے۔فرماتے ہیں جیسے خیال آئے پھر میرا ذکر شروع کر دو، مجھ سے معافی چاہو، توبہ کرو، استغفار کرو میں تمہیں واپس پھر قبول کر لوں گا۔زندگی بھر یہ مقابلہ دمِ واپسیں جاری رہتا ہے۔وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (الحجر: 99) جب تک آخرت سامنے نہیں آ جاتی، جب تک دنیا سے رخصت نہیں ہو جاتے تب تک اللہ کی اطاعت اور اسی کی عبادت کرتے رہو۔یہ ساری اطاعت اور عبادت اپنے دل کی کھیتی پر محنت کرنے کے لیے ہے کہ بارانِ رحمت تو ہمہ وقت برس رہی ہے، ہمیں اپنی کھیتی کو صاف کرنا ہے، اللہ اللہ کا بیج اس میں ڈالنا ہے، اسے بہترین اُگانا ہے اور دوسری خلقِ خدا کا بھی بھلا کرنا ہے، دوسروں کو بھی فائدہ پہنچانا ہے۔تو یہ زندگی کا نظام اور مقصدِ حیات ہے۔فرمایا، یہ باتیں تو بتا دیں لیکن اس کیفیت کا کہ اس کی رحمت ایمان والوں پہ کتنی ہے تم احاطہ نہیں کر سکتے۔وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا (الاحزاب: 43) مومنوں کے ساتھ اس کا رویہ بہت ہی رحمت کا ہے، تمہارے اندازے سے زیادہ رحمت کا ہے حتیٰ کہ جب دنیا سے جاتے ہیں۔تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ۔۔۔جب دنیا سے نکلتے ہیں آخرت میں قدم رکھتے ہیں تو اللہ کی طرف سے انہیں سلامتی کی نوید

ملتی ہے۔ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلٰمٌ۔۔جس دن اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، انہیں سلامتی کا تحفہ 'تحیہ' عطا ہوگا۔ تحفے کے طور پر سلامتی اور ہر طرح کی سلامتی تمہیں اللہ کی طرف سے ملے گی۔

وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا اور ان کے وہم وگمان سے زیادہ ان کے لیے معاوضہ اور اجر بنا رکھا ہے۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ محدود ہے، اس کی عطا کی حد کوئی نہیں۔ اس نے جو معاوضہ، جو انعام، جو نعمتیں انہیں عطا کرنی ہیں، ان کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ تو قرآن کریم میں رب العزت نے بندہ مومن کا یہ اسلوبِ زندگی ارشاد فرمایا۔ ہم دعویٰ تو کرتے ہیں کہ یہ کام ہم اللہ کی طلب، اللہ کی محبت میں، اللہ کو پانے کے لیے کر رہے ہیں لیکن ہر وہ دعویٰ باطل ہے جو قرآن سے متصادم ہے۔ قرآنِ کریم نے ایک سادہ سے جملے میں ساری زندگی کی حقیقت ارشاد فرما دی اور فرمایا، میرے حبیب ﷺ آپ سب انسانوں سے ارشاد فرما دیجیے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ (ال عمران: 31) فرما دیجیے، لوگو! اگر تمہیں اللہ سے محبت کا دعویٰ ہے اور تم کہتے ہو کہ میں اللہ سے محبت کر رہا ہوں تو ایک ہی راستہ ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ۔۔۔ میرا اتباع کرلو۔ محبتِ الٰہی کو پانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی پابندی کرلو، میرے نقشِ قدم کو حرزِ جاں بنالو، میرا اتباع کرلو۔ میرا اتباع کرنے سے یہ ہوگا کہ تم دعویٰ لیے پھرتے ہو کہ اللہ میرا محبوب ہے، میں اللہ سے محبت کرتا ہوں، جب میرا اتباع کروگے۔ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔۔۔ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔ تمہارا دعویٰ محبت اپنی جگہ، تم دعویٰ کروگے تو انسانی حیثیت کے مطابق کروگے، انسانی سوچوں کے مطابق کروگے، اپنی استعداد کے مطابق کروگے لیکن میرا اتباع کر کے دیکھو يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔۔۔ تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (ال عمران: 31) اس راہ میں جو لغزشیں ہوں گی وہ بھی معاف کر دے گا۔ بتقاضائے بشریت تمہیں ٹھوکریں لگیں گی، تم سے غلطیاں ہو جائیں گی، تم سے گناہ ہو جائیں گے، وہ معاف فرما دے گا کہ یہ میرے نبی ﷺ کے اتباع کی کوشش تو کر رہا ہے۔ اگر اسے ٹھوکر لگ جائے تو معاف کر دیتا ہے۔ زندگی کا ایک ہی راستہ ہے جو اللہ نے بتا دیا ہے کہ بندۂ مومن پر ہمہ وقت نزولِ رحمت ہوتا ہے۔

بارگاہِ رسالت پناہی میں کسی حکمران نے اپنے طبیب مدینہ منورہ بھیجے۔ انہوں نے کہا، بہت اچھے طبیب ہیں آپ ﷺ کی خدمت میں رہیں گے، مسلمانوں کا علاج معالجہ کریں گے۔ سال دو سال یا کچھ عرصہ رہنے کے بعد ان طبیبوں نے اپنے بادشاہ سے عرض کی کہ ہمیں واپس بلا لیجیے۔ پوچھا کیوں؟ کہنے لگے جب سے یہاں آئے ہیں کوئی کام ہی نہیں ہے، کوئی بیمار ہی نہیں ہوتا، کسی کو کوئی تکلیف ہی نہیں۔ ہمیں اپنی طب بھول جائے گی، ہم سمجھتے ہیں ہمیں حکمت یاد نہیں رہے گی۔ جب سے آئے ہیں بیکار بیٹھے ہیں۔ کمال ہے، عجیب بات نہیں ہے کہ ریاستِ اسلامی میں کوئی بیمار نہیں ہے۔ وہ رحمتیں وصول کرتے تھے ان کے قلوب اور سینے منور تھے، ان کے دل روشن تھے تو نہ صرف باطنی اصلاح ہوتی تھی بلکہ ان کے ظاہری وجود بھی صحت منداور سلامت رہتے تھے، طبیبوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ چلو ہم کمزور سہی، زمانہ بہت دور سہی، اس سب کے باوجود ہمیں نسبت تو ہے ناں محمد رسول اللہ ﷺ سے، کلمہ تو انہی کا پڑھتے ہیں، اب بھی وہی ہمارے نبی اور رسول ہیں اور قیامت تک بھی وہی ہیں۔ سو فیصد نہ سہی، پانچ فیصد بھی ہم ٹھیک ہو جائیں کچھ ہمارے ذہنوں سے بھی خوف نکل جائے، کچھ ہمارے دلوں میں بھی سکون پیدا ہو، کچھ ہماری عبادتوں میں بھی ٹھہراؤ آجائے، ہمیں بھی رزق حلال نصیب ہو، ہمیں بھی نیکی کی توفیق ہو، کچھ تو ہو۔ اگر کچھ بھی نہیں ہے تو یہ ہماری کمزوری ہے کیونکہ اللہ کریم فرماتے ہیں، میں نے رحمتوں کا دروازہ بند نہیں کیا، میری بارگاہ سے ہمہ وقت نزولِ رحمت جاری ہے، میرے فرشتے ہمہ وقت تمہارے لیے دعائیں کر رہے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اگر تم ظلمت میں گھر بھی گئے ہو پھر بھی تمہیں نکال کر نور کی طرف لے جائیں لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔۔۔ تمہارا سفر برائیوں سے نیکی کی طرف شروع ہو جائے۔ پہلے اگر دس گناہ کرتا تھا اور اب نو پہ بھی آجائے تو سفر تو شروع ہو گیا، چل تو پڑا۔ سات آٹھ پہ بھی آجائے تو راستہ تو چل پڑا، اللہ کریم دستگیری فرماتے ہیں۔ یاد رکھیں، دین، واحد نعمت ہے جو ہر ایک کا اپنا ہے۔ ہم

نے تو یہ سمجھ لیا ہے ناں کہ دین مولویوں کا ہے، دین پیروں کا ہے ہم جا کر پیر صاحب کو پیسے دے آئیں، نماز روزہ وہ کرتے رہیں ہمیں بخشوا دیں گے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ پیر بھی اتنے مکلف ہیں جتنے مرید مکلف ہیں۔ مولوی صاحب بھی اتنے ہی مکلف ہیں جتنا ہر مقتدی مکلف ہے۔ ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے اللہ ربّ العزت کے ساتھ، ہر فرد ذاتی طور پر حضور ﷺ کا امتی ہے۔ ہر فرد نے اپنا معاملہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سیدھا رکھنا ہے۔ مولوی کی ضرورت ہمیں اس لیے ہے کہ وہ ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا راستہ بتائے، پیر کی ضرورت ہمیں اس لیے ہے کہ صرف ظاہری راستہ نہ بتائے بلکہ پیر پر دہری ذمہ داری ہے کہ کیفیات باطنی بھی لے کر دے۔ اگر مولوی صاحب صحیح نہیں بتاتے تو اللہ کریم ان سے حساب لے گا، اگر پیر صاحب اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے تو پتا تب چلے گا جب جواب طلبی ہوگی۔ لاکھوں انسانوں کی گمراہی کا سبب جسے قرار دیا جائے گا اس کا حشر کیا ہوگا؟ بات صرف نذرانے لے کر کھانے تک ختم نہیں ہو جائے گی، ہر بندے کا حساب دینا پڑے گا۔ ہمارا دور عام نہیں بلکہ گمراہی کا دور ہے اور یہ ایسا عجیب زمانہ ہے کہ گمراہی پر فخر کیا جاتا ہے۔ گمراہی کو روشن خیالی کا نام دیا جاتا ہے اور نیکی اور بھلائی کو پرانی باتیں اور قدامت پسندی کہا جاتا ہے۔

ایک ایک بندے سے بیعت لیتے ہوئے دل لرز جاتا ہے کہ یا اللہ اس کی جوابدہی کون کرے گا، کیسے کریں گے؟ میں تو اس ڈر سے بیعت لے لیا کرتا ہوں کہ چلو کہیں منسلک ہو جائے، کوئی نیکی کر لے، شاید عقائد کی اصلاح کر لے۔ ہوسکتا ہے اللہ، اعمال کی اصلاح کر دے، فضا میں بھٹک رہا ہے کوئی اچک لے گا تو بیچارہ مارا جائے گا۔ لیکن جب یہ خیال آتا ہے کہ اتنے لوگوں کی طرف سے پیش ہونا پڑے گا، کیا ہوگا؟ ایک اپنی ذات کی فکر کھا جاتی ہے تو اتنی مخلوق کا حساب کیسے دے گا؟ تو بھئی رسومات سے نکلو، عملی زندگی میں قدم رکھو، وہموں سے نکلو، حقائق کا سامنا کرو۔ اللہ کی یاد کو حرزِ جاں بنا لو۔ اپنے کردار میں بھی، اپنے افکار میں بھی اور اپنی گفتار میں بھی اور پھر تماشا دیکھو کہ اس کی کتنی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور کس طرح رات دن تم اللہ کی نعمتوں میں رہتے ہو، اللہ کی یاد میں رہتے ہو۔ ہمیشہ آسانیاں، آرام، عزت و آبرو نصیب ہوگی۔ اللہ کریم ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے، ہمیشہ نیکی پہ قائم رکھے، نیک لوگوں کے ساتھ زندہ رکھے، نیکی پہ موت دے اور نیک لوگوں کے ساتھ حشر فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کا چینل "۵" پر ہفتہ وار پروگرام

"المرشد" کے عنوان سے تصوف پر سوال و جواب کا پروگرام ہر جمعہ گیارہ بج کر دس منٹ پر ٹیلیویژن چینل "۵" سے نشر ہوتا ہے ساتھیوں سے التماس ہے کہ خود بھی پروگرام باقاعدگی سے دیکھیں اور دیگر حضرات کو بھی دعوت دیں۔

اطلاع برائے قارئین

قارئین المرشد کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ادارہ تمام رسائل محکمہ ڈاک Pakistan post کے ذریعہ بھجتا ہے، جس میں سے معدودے چند قارئین رسالہ کو نہ پہنچنے کی شکایت پیدا ہوتی ہے۔ اگر کوئی قاری اپنا رسالہ کسی کوریئر سروس سے منگوانا چاہے تو کوریئر سروس اخراجات دے کر منگوا سکتا ہے۔ بیرونی ممالک احباب بھی کوریئر چارجز ادا کر کے اس سہولت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

فون:۔

042-35180381

یا

monthlyalmurshed@gmail,com پر میل کریں۔

سورۃ کہف

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

وجوب ورع

قولہ تعالیٰ: فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا (الکہف:19)

ترجمہ: پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا حلال ہے۔

"اس میں دلالت ہے کہ طالبان حق کو ورع کا عمل اختیار کرنا چاہیے جیسا اصحاب کہف نے اَزْكٰى بمعنی حلال کو طلب کیا اور اسی واسطے حضرت ذوالنون مصری کا قول ہے کہ عارف وہ شخص ہے جس کا نور معرفت اس کے نور ورع کو نہ بجھاوے مطلب یہ ہے کہ نور معرفت سے تو سب چیزوں کی نسبت حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف کرتا ہے تو اس میں ناقص کو یہ دھوکا ہو جاتا ہے کہ جب اللہ کے سامنے کوئی مالک نہیں تو پھر ہر مال حرام مباح ہے کیونکہ اس میں حق عبد ہے ہی نہیں اور کامل اسی نسبت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ آخر کسی درجہ میں حق تعالیٰ نے اس مال کی نسبت عبد کی طرف بھی کی ہے گو ضعیف وناقص ومجازی سہی اور اسی نسبت کے کچھ حقوق واحکام بھی ہیں سو ان میں سے حرمت تناول بلا اذن بھی ہے۔ پس یہ شخص جو عارف کامل ہے اس لیے ورع کو بھی نہ چھوڑے گا۔ اور بعض نے اَزْكٰى کی تفسیر اطیب بمعنی لذیذ کے ساتھ کی ہے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ طعام لذیذ ولطیف لاوے جس میں یہ مصلحت تھی کہ انہوں نے مدت سے نہ کھایا تھا تو طعام غیر لطیف ان کو مضر ہوتا اس طرح بعض مصالح دینیہ سے بعض بزرگوں نے جیسے حضرت شیخ عبدالقادر گیلانیؒ نے طعام لطیف اور لباس لطیف کو استعمال فرمایا ہے اور تفصیل ان مصالح کی طویل ہے۔"

اس میں دلالت ہے کہ طالبان حق کو ورع کا عمل اختیار کرنا چاہیے۔ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا، جب دار عمل میں آئے تو عمل میں جائز اور حلال کی قید کو ضروری رکھے، ناجائز ذریعے سے رزق حاصل نہ کرے، ناپاک چیز کے قریب نہ جائے، حلال کھائے، حلال کمائے، جائز طریقے سے کمائے۔ حضرت ذوالنون کا قول ہے کہ عارف وہ شخص ہے جس کا نور معرفت اس کے نور ورع کو نہ بجھادے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ عارف وہ ہے جس کا نور معرفت، ذکر اذکار اور وہ کیفیات نور ورع کو نہ بجھادے یعنی اس سے نیک عمل کرنا اور سنت خیر الانام ﷺ پہ عمل کرنا چھڑوا نہ دے، عبادات ظاہری ترک نہ کروا دیں اور عبادات ظاہری میں صرف نماز روزہ نہیں ہے، عبادات ظاہری میں سب سے اعلیٰ عبادت جائز ذریعہ سے رزق حلال پیدا کرنا ہے۔ جو عبادات نماز روزے کی ہیں یہ تو ایک طاقت حاصل کرنے کا سبب ہے کہ جب بندہ میدان عمل میں جائے تو اس کے پاس اللہ کا نور ہو کہ وہ برائی سے بچے اور نیکی کرے تو ان کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کا ورع اور تقویٰ بحال ہو۔ جیسے ارشاد ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت:45) یعنی یہ جو عبادت فرائض ہیں یہ میدان عمل میں برائی سے بچانے کا سبب بنتے ہیں۔ یہی ان کا اجر ہے جو نقد ملتا ہے اور اگر ہم عبادت بھی کرتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور بازار میں جا کر برائی بھی کرتے ہیں تو پھر ہمیں دیکھنا ہوگا کہ یہ الٹا اثر کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا مطلب ہے ہماری عبادت میں کوئی کمی ہے، عقیدہ درست نہیں ہے یا طریقہ سنت کے مطابق نہیں ہے، کہیں کوئی جھول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نور معرفت سب چیزوں کی نسبت سبحانہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے تو اس میں ناقص کو یہ

دھوکا ہو جاتا ہے کہ جب اللہ کے سامنے کوئی مالک نہیں تو پھر ہر حرام بھی مباح ہے تو اس میں حق عبد ہے ہی نہیں اور کامل اسی نسبت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہا ہے تو جو کمزور ہوتے ہیں اور ناقص ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں یہ سارا مال ہی اللہ کا ہے جہاں سے جب جیسے چاہا لے لیا۔

فرمایا نہیں، ایسا نہیں یہ گمراہی ہے۔ اس لیے جو شخص عارف کامل ہے وہ ورع کو نہ چھوڑے گا۔ بعض نے آزکی کی تفسیر طیب بمعنی لذیذ کے ساتھ کی ہے تو اس کا اصل یہ ہوگا کہ طعام لذیذ ولطیف لاوے کہ انہوں نے مدت سے کھانا نہ کھایا تھا تو طعام غیر لطیف ان کو مضر ہوتا۔ اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اچھا کھانا، اچھا پہننا، صاف ستھرا رہنا منع نہیں ہے۔ یہ کوئی ولایت نہیں ہے۔ کہ کپڑے پھٹے ہوئے ہوں، بال ویران ہوں اور آدمی میل کچیل میں لتھڑا ہو یہ اللہ کو پسند نہیں ہے ہاں کسی کا ہوش ساتھ نہ دے، حواس ساتھ نہ دیں تو وہ اور بات ہے تو فرماتے ہیں کہ صاف ستھرا رہنا، اچھا لباس پہننا، اچھی غذا کھانا یہ ساری باتیں اس وقت درست ہیں جب حلال طریقے سے کمائی کی جائے اور پاک اور طیب کھائی جائے، حلال وسائل سے کپڑا حاصل کیا جائے اور اسے پاک اور صاف رکھا جائے۔ یہ کوئی ولایت نہیں ہے کہ بال پریشان ہوں اور کپڑے پھٹے ہوئے ہوں۔

ہمارے ہاں تو اب رواج ہو گیا ہے کہ جب تک کوئی مخبوط الحواس نہ ہو جائے اسے ولی نہیں سمجھا جاتا اور جس کا دماغ الٹ جائے جو بالکل بے لباس ہو جائے وہ تو بہت پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اور اسی طرح بعض مصالح دینیہ سے جیسے حضرت عبدالقادر گیلانی نے طعام لطیف اور لباس لطیف استعمال فرمایا ہے اور اس کے مصالح کی فہرست بہت طویل ہے۔ فرماتے ہیں سیدنا شیخ عبدالقادر گیلانی جن کا نام اولیاء اللہ کی فہرست میں بہت بلند درجے پر اور مثال کے طور پر لیا جاتا ہے بہت خوبصورت لباس پہنتے تھے، بہت اچھا کھانا کھاتے تھے اور بہت ہی عالیشان امیرانہ طرز رہائش تھا اس زمانے میں آپ کا درآمد برآمد کا کاروبار تھا اور بحری جہازوں سے درآمد و برآمد ہوتی تھی یعنی چھوٹی موٹی برآمد نہیں تھی۔ بحری جہاز آتے تھے تو وہ اپنے جائز وسائل آمدنی کے ذریعے اپنی حیثیت کے مطابق رہتے سہتے تھے لیکن ان کے قلبی استغنا کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ان کا سامان سے لدا جہاز آ رہا تھا کہ اس کے بارے اطلاع آئی کہ جہاز سامان سمیت ڈوب گیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا الحمدللہ۔ کچھ دیر گزر گئی دوسرے دن یا اسی دن بعد میں پھر اسی مجلس میں آپ بیٹھے تھے کہ اطلاع آئی کہ جہاز تو بچ گیا اور وہ صحیح سلامت ہے اور آج یا کل بندرگاہ پر پہنچ جائے گا تو آپ نے فرمایا الحمدللہ۔ جو ساتھ مجلس میں بیٹھا تھا اسے بات سمجھ نہ آئی تو وہ کہنے لگا کمال ہے حضرت کل جہاز کے ڈوبنے کی اطلاع آئی تو آپ نے کہا الحمدللہ تو میں سمجھا اس میں کوئی مال مشکوک یا حرام مل گیا ہوگا اور وہ غرق ہو گیا تو آپ نے الحمدللہ کہا کہ اس سے جان چھٹی۔ آج اطلاع آئی کہ نہیں وہ پہنچ جائے گا تو آپ نے پھر الحمدللہ کہہ دیا تو میری سمجھ میں تو بات نہیں آتی آپ یا اس کے ڈوبنے پر الحمدللہ کہتے یا بچنے پہ کہتے تو انہوں نے فرمایا ارے نادان میں نے جہاز کے ڈوبنے پہ بھی الحمدللہ نہیں کہا اور اس کے بچنے پر بھی الحمدللہ نہیں کہا مجھے جب جہاز کے ڈوبنے کی اطلاع ملی تو میں نے اپنے قلب کو دیکھا تو اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا تو میں نے الحمدللہ کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے ڈوبنے کا غم میرے دل پہ نہیں ہے اور جب اس کے بچ جانے کی اطلاع ملی تو میں نے قلب کو دیکھا تو اس پہ جہاز کے بچنے کی کوئی خوشی نہیں تھی وہ اللہ کی یاد میں محو تھا تو میں نے پھر الحمدللہ کہا کہ اللہ نے میرے قلب کو دنیاوی جھمیلوں سے الگ رکھا ہوا ہے۔ تو میں نے اپنے حال پہ اپنے قلب کے حال پہ الحمدللہ دونوں دفعہ پڑھا ہے۔

نرمی در معاملات

قولہ تعالیٰ: وَلْيَتَلَطَّفْ (الکہف:19)

ترجمہ: اور کام خوش تدبیری سے کرے۔

"بعض نے تفسیر کی ہے لطف فی المعاملہ کے ساتھ پس یہ وصیت ہے حُسنِ اخلاق و نرمی و حُسنِ معاملہ کی اس شخص سے جس سے خریدے گا۔"

اصحاب کہف نے ایک ساتھی کو جب بھیجا تو یہ ابتدائی تین چار باتیں کہیں اول یہ کہ اپنا سکہ لے جاؤ یعنی مانگ کر نہیں، خرید کر لاؤ پھر یہ دیکھو کہ اَزْکٰی طَعَامًا صاف ستھرا پاکیزہ حلال سودا کس کے پاس ہے۔ اچھی چیز خریدو تیسری چیز جو ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ لین دین بہت خوبصورت طریقے سے کرو معاملات اچھے طریقے سے کرنا۔ معاملات اچھے طریقے سے کرنے سے مراد یہ ہوتی ہے کہ زبانی بھی جو بات کرے وہ بھی احترام وادب اور اخلاق کے ساتھ کرے اور جو لین دین کرے نہ اگلے کو نقصان دینا مطلوب ہو نہ کوئی حق سے زیادہ لینا مقصود ہو بلکہ حسن معاملہ یہ ہے کہ عین انصاف کے مطابق کیا جائے۔ بات بھی اعتدال سے کی جائے اور لین دین بھی احتیاط سے کیا جائے۔ اور آخری چوتھی بات جو انہوں نے فرمائی وہ یہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مشرک قوم تمہیں پہچان لے اور پھر ہم سب کی مصیبت آجائے۔

اخفاءِ اسرار از اغیار منکرین

قولہ تعالیٰ: وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا الکھف:19

ترجمہ: اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔

"یعنی اغیار کو اطلاع نہ ہو۔ اسی طرح اسرار حق کو ان اغیار پر ظاہر نہ کرے جو مطالعہ انوار و وقوف اسرار سے محجوب ہیں ورنہ وہ احجار انکا سنگسار کر دیں گے۔"

اور آخری چوتھی بات جو انہوں نے فرمائی وہ یہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مشرک قوم ہمیں پہچان لے اور پھر ہم سب کی مصیبت آجائے۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ ان کی مراد یہ تھی کہ اغیار کو خبر نہ ہو۔ تو فرماتے ہیں اسرار الٰہی نا اہلوں کے سامنے بیان کرنا اگلے کا بھی نقصان کرنا ہے اور خود اپنا بھی۔ یہ بڑی قیمتی بات ہے۔ چار باتیں انہوں نے ارشاد فرمائیں ایک مانگ کر نہ لاؤ سکہ لے کر جاؤ۔ دوسرا حلال طیب پاکیزہ کھانا تلاش کرو۔ تیسرا لین دین معقول اور مناسب طریقے سے کرو کوئی غیر مناسب بات نہیں ہونی چاہیے اور چوتھی تمہیں کوئی پہچانے نہیں۔ یہ نہ ہو کہ تمہیں کوئی مشرک پہچان جائے اور سب کی مصیبت آجائے۔ یہاں وہ سالک کے لیے تو لَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا سے یہ مسئلہ اخذ کرتے ہیں کہ سالک پر جو کیفیات ہوتی ہیں یہ اسرار حق ہیں اور اللہ اور اس کے درمیان ہوتی ہیں تو جو اغیار ہیں دوسرے لوگ ان کے سامنے بیان نہ کرے اس سے ان کو بھی نقصان ہوتا ہے اور بیان کرنے والے کو بھی۔ سننے والا دو میں سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یا تو انکار کرتا ہے اور حق کے انکار کا اثر اس کے دل پر پڑتا ہے اور اس کا نقصان ہوتا ہے۔ یا پھر اس کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے اور شرک تک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بتانے والے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بڑائی اور عجب میں گرفتار ہو کر وہ چیزیں ضائع کر بیٹھتا ہے۔ تو یہ جن ساتھیوں کو چھوٹے موٹے مشاہدات بھی ہو جاتے ہیں انہیں ساتھ یہ شوق بھی ہو جاتا ہے کہ اب میں کس کو بتاؤں۔ پھر وہ دو چار بندے اکٹھا کر کے گوشے میں بیٹھ کر ان کو بتا تا رہتا ہے۔ یاد رہے کشف و مشاہدہ اسرار حق کو سمجھنے کا ذریعہ ہے اپنی بڑائی یا شہرت کا نہیں۔

تحقیق مسجد ساختن نزدیک قبور

قولہ تعالیٰ: فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا الکھف:21

ترجمہ: سو ان لوگوں نے یہ کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوا دو ان کا رب ان کو خوب جانتا ہے۔ جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے لیے ایک مسجد بنا دیں گے۔

"اس بنیان سے مراد یہ ہے کہ ایسی طرح بناویں کہ منہ غار کا بند ہو جاوے اور مسجد سے وہ قصد نہ تھا جو جہلاء کا قبور کے پاس نماز سے

ہوتا ہے بلکہ محض نماز پڑھنا ان لوگوں کا جو اس مقام پر آجاویں اور علیھم بمعنی عندھم ہوگا۔ اور مسجد کی نسبت اس کہف کی طرف ایسے ہوگی جیسے مسجد نبوی کی نسبت مرقد مبارک کی طرف مثلاً یوں کہا جاوے کہ روضہ شریف کی مسجد بس اس میں قبر پرستوں کی کوئی حجت نہیں۔"

یہ آیت مبارک کہ لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوا دو جب وہ تو واپس غار میں گئے تو پھر اندر کوئی بندہ جا نہ سکا وہ باہر نہیں آئے۔ تین ساڑھے تین سو سال بعد جب وہ سکہ لے کر گئے تو زمانہ بدل چکا تھا۔ وہ قومیں ہلاک ہو چکی تھیں۔ بادشاہ جو تھا وہ دیندار تھا اور اس وقت قیامت کے انکار کا فتنہ پیدا ہو رہا تھا۔ دینی قوتیں اس کے اثبات میں لگی ہوئی تھیں لیکن اکثریت جو جہلا کی تھی وہ قیامت اور دوبارہ زندگی کا انکار کیے بیٹھی تھی۔ اللہ کریم نے انہیں زندگی دے دی انہیں بیدار کر دیا۔ ان میں سے ایک بندہ جب سودا لینے بازار گیا اس نے اچھا سا کوئی نیک آدمی دیکھ کر سکہ نکالا تو وہ تین سو سال پہلے کا تھا۔ اس نے کہا یہ تم نے کہاں سے لیا۔ اس نے کہا میرا اپنا ہے۔ وہ تفتیش کرنے پر بات پتہ چلی تو بڑی حیرت والی بات ہوئی بادشاہ تک بات گئی تو وہ بات ساری قوم کو پتہ چلی کہ اتنے عرصے سے غار میں تھے اور اب اللہ نے انہیں بیدار کر دیا تو وہ جو فتنہ تھا انکار قیامت کا وہ بھی فرو ہو گیا۔ وہ بادشاہ بھی اور وہ بندے بھی اس کے ساتھ غار پر آئے۔ وہ غار کے اندر چلا گیا۔ وہ اندر نہ جا سکے وہ اندر سے باہر نہ آئے۔ وہیں ان کا وصال ہو گیا غار ہی میں دفن ہو گئے۔ تو اب جو باقی رہ گئے تھے تو لوگوں نے کہا ان پر ایک یادگار بنائیں گے۔ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ہم ان پر ایک بڑی سی عمارت بنائیں گے کہ یہ یادگار رہے۔ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا جو لوگ صاحب حکم تھے، جن کی بات چلتی تھی جو با اختیار تھے انہوں نے کہا نہیں یادگار نہیں ہم مسجد بنائیں گے۔ جو آئے گا غار کی زیارت بھی کرے گا ان کے لیے دعا بھی کرے گا اور اللہ کی عبادت بھی کرے گا۔ سو ان لوگوں نے کہا ان کے پاس کوئی عمارت بنا دو تو جو ان میں اپنے کام پر غالب تھے انہوں نے کہا کہ ایک مسجد بنائیں گے۔ "بنیان سے مراد یہ ہے کہ اس طرح بنا دیں کہ غار کا منہ بند ہو جاوے اور مسجد سے وہ قصہ نہ تھا جو جہلا کا قبور کے پاس شائع ہوتا ہے بلکہ محض نماز پڑھنا ان لوگوں کا جو اس پر آجاویں۔ اس میں مسجد کی نسبت کہف کی طرف ایسی ہوگی جیسے مسجد نبوی کی نسبت مرقد مبارک کی طرف مثلاً یوں کہا جاوے کہ روضہ شریف کی مسجد۔"

حضرت فرماتے ہیں اگر یادگار یا عمارت بناتے تو جاہل لوگ جو آتے وہ اللہ سے مانگنے کے بجائے ان بزرگوں سے مانگا کرتے تو با اختیار لوگ جو نیک تھے انہوں نے کہا نہیں یہاں مسجد بناؤ کہ جو آئے وہ ان کے لیے بھی دعا کرے اور اپنے لیے بھی کرے لیکن سر بسجود اللہ کے سامنے ہو، مانگے اللہ سے، سالکین کے لیے اس میں سبق یہ ہے کہ جو لینا ہے اللہ سے لینا ہے جو دینا ہے وہ اللہ نے دینا ہے۔ ماحصل بھی یہی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں جس درخت کو جو پھل لگتا ہے اسی پھل کو اس کا بیج بھی بنایا جاتا ہے، اس کا تخم بھی اسی میں ہوتا ہے جو پھل ہوتا ہے اور سلوک کا تخم بھی یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے کٹ کر اللہ کے حضور حق میں اپنے آپ کو لے آئے اور آخری نتیجہ اور پھل بھی یہی ہے کہ غیر اللہ سے کٹ جائیں اور اللہ کریم کے ساتھ تمام امیدیں جڑ جائیں۔

تفویض محض

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ الکھف: 23-24

ترجمہ: اور آپ کسی کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ اس کو میں کل کر دوں گا مگر اللہ کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے 'اس میں ارشاد ہے خالص تجرید و تفرید کا'

یعنی اس میں اپنی ذات کی بھی نفی ہوجاتی ہے جو سلوک کا کمال ہے۔کبھی نہ سمجھے کہ میں یہ کردوں گا میں نے دعا کی تو وہ ہوگیا میں نے تعویز دیا تو یہ ہوگیا میں نے دم کیا تو وہ ہوگیا۔یہ جو میں ہے یہ نہیں ہونی چاہیے۔تجرید وتفرید ہونی چاہیے اللہ اکیلا واحد لاشریک ہے۔جو کرتا ہے وہ کرتا ہے۔

مطلوبیت ذکر

قولہ تعالیٰ: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيْتَ الکھف:24

ترجمہ: اور جب آپ بھول جاویں تو اپنے رب کا ذکر کیا کیجئے۔

"اس میں مطلوبیت ذکر کی ظاہر ہے"

یعنی ذکر الٰہی جو ہے یہ مطلوب ہے، مقصد حیات ہے، جن وانسان کی تخلیق ہی اللہ کی عبادت کے لیے ہوئی ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ سورۃ الذاریات: 56 مفسرین لِیَعْبُدُوْنِ کی تفسیر کرتے ہیں لِیَعْرِفُوْن مجھے پہچانے میری معرفت حاصل کرے۔معرفت الٰہی کا واحد ذریعہ ذکر الٰہی ہے۔قرآن کریم نے سب سے زیادہ زور جو دیا ہے وہ ذکر الٰہی پہ دیا ہے اور یہاں بھی فرمایا کہ جب بھول جاؤ۔جیسا کہ انسان مصروف ہوتا ہے، جب توجہ دنیاوی ضروریات کی طرف ہوجائے تو جب یاد آئے ذکر شروع کردو۔یہ صبح وشام کے اوقات جو مشائخ مقرر کرتے ہیں یہ تو تاکیداً ہے کہ ان اوقات میں کیا جائے لیکن یہ نہیں کہ صرف انہیں اوقات میں کرے، ذکر تو علی الدوام ہے، ہر وقت کرنا چاہیے اور انسان پھر انسان ہے، انسانی کمزوریاں بھی ہیں، دنیاوی امور بھی ہیں، بال بچوں کیساتھ الجھ جاتا ہے، کاروبار میں مصروف ہوجاتا ہے تو جس وقت یاد آئے تو ذکر شروع کردو تو فرماتے ہیں یہ مطلوب ہے۔اللہ کریم حکم دے رہے ہیں کہ اسے چھوڑو نہیں۔بتقاضائے بشریت کبھی بھول جاؤ تو فوراً ذکر کرنا شروع کردو۔

عین ذات بودن صفات

قولہ تعالیٰ: اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۚ الکھف:26

ترجمہ: وہ کیسا کچھ دیکھنے والا ہے اور کیسا کچھ سننے والا ہے۔

"یعنی کیسا کامل بصیر وسمیع ہے اور یہ کمال کا کامل ہے کہ اس کی صفات عین ذات ہیں۔اس سے زیادہ کامل درجہ تعلق کا نہیں ہوسکتا"

اس میں سالک کو یہ سبق ملتا ہے کہ اس کا کوئی لمحہ، اس کی کوئی حرکت اللہ کی نگاہ پاک سے پوشیدہ نہیں ہے اور وہ جو لفظ منہ سے نکالتا ہے وہ اللہ کریم سن رہا ہے۔یہ مختلف کیفیات ہوتی ہیں۔آپ ایک دوست کے ساتھ بات کرسکتے ہیں لیکن جب وہ یہ کہہ دے کہ یہ بات میں آپ کے والد کو بتاؤں گا تو پھر پسینہ آجاتا ہے کہ نہیں یہ اباجی کو نہ بتانا۔تو سلوک میں یہ ہے کہ فرشتہ لکھتا ہے یہ بھی درست ہے۔قیامت کو پیش ہوگا ساری باتیں درست ہیں لیکن سالک کا دھیان اللہ کے سمیع وبصیر ہونے کی اس صفت پہ ہونا چاہیے کہ جو میں سوچ رہا ہوں میرا رب دیکھ رہا ہے جان رہا ہے۔جو لفظ میرے منہ سے نکلے گا میرا معبود برحق سن رہا ہے، جو میں کررہا ہوں، وہ میرے اللہ کی نظر کی سامنے ہے۔تو یہ کیفیت اسے اللہ کی نافرمانی سے روکنے اور اطاعت پہ کاربند ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

ضرورت رشتہ

دو لڑکیاں، عمر 34 سال، تعلیم بی اے، مونٹیسوری ڈپلومہ اور عمر 30 سال تعلیم بی کام، بی ایڈ۔کے لیے برسرروزگار، تعلیم یافتہ لڑکوں کا رشتہ درکار ہے سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی۔

والدین ان نمبروں پر رابطہ کریں۔

0333-8404956, 0334-3644647

قارئین اپنی معلومات پر معاملہ کریں۔ادارہ اور سلسلہ عالیہ پر شرعی ذمہ داری سے مستثنیٰ ہیں

اکرم التفاسیر

سورۃ مریم آیات 51-65

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا

اور اس کتاب میں موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے بلاشبہ وہ (اللہ کے) خاص کیے

وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (51) وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

ہوئے (بندے) تھے اور وہ پیغمبر (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو طور کی داہنی جانب

الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا (52) وَ وَهَبْنَا لَهٗ

سے آواز دی اور باتیں کرنے کے لیے انہیں نزدیک بلایا۔ اور اپنی مہربانی

مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (53) وَ اذْكُرْ فِي

سے ان کو ان کا بھائی ہارونؑ نبی بنا کر عطا فرمایا۔ اور اس کتاب میں اسمٰعیل (علیہ السلام)

الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا

کا ذکر کیجیے بے شک وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے (پیغمبر، اور)

نَّبِيًّا (54) وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَ كَانَ

نبی تھے۔ اور اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم فرماتے تھے اور اپنے

عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (55) وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۫ اِنَّهٗ

پروردگار کے ہاں پسندیدہ تھے۔ اور اس کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے بے

كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (56) وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (57)

شک وہ صدیق (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھا لیا تھا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے من جملہ دیگر انبیاءؑ کے انعام فرمایا۔ آدم (علیہ السلام) کی نسل

مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ

سے اور ان لوگوں (کی نسل) سے جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ سوار کیا تھا اور

وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۫ وَّ مِنْ

ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ ۫ وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا

اور ابراہیم (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) کی نسل سے اور ان

وَ اجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ

لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور مقبول بنایا، جب ان کے سامنے رحمٰن کی

الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا (58)

آیات پڑھی جاتیں تو سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (زمین پر) گر جاتے تھے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ

پھر ان کے بعد (بعض) ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور

وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (59)

خواہشات (نفسانی) کی پیروی کی، پس یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

ہاں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کیے، سو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں

الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (60) جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ

گے اور ان کا ذرا بھی نقصان نہ کیا جائے گا۔ وہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن

وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ

کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے۔ بے شک اس کی وعدہ فرمائی ہوئی چیز

مَاْتِيًّا (61) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَ لَهُمْ

کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے۔ اس میں سلام کے سوا کوئی بیہودہ کلام نہ سنیں گے اور وہاں

رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا (62) تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ

ان کو صبح اور شام ان کا کھانا ملا کرے گا۔ یہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے

نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (63) وَ مَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا

لوگوں کو مالک بنائیں گے جو پرہیزگار ہوں گے۔ اور (فرشتوں نے عرض کیا) ہم آپ

بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَ مَا خَلْفَنَا

کے پروردگار کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے۔ جو کچھ ہمارے آگے اور جو کچھ پیچھے اور اس کے
وَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (64)
درمیان ہے (یعنی سب کچھ) اُسی کا ہے اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں۔
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ
آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے تو (اے مخاطب!) اسی کی
وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (65)
عبادت کرو اور اس کی عبادت پر قائم رہو بھلا تم اس کا کوئی اور ہم نام (ہم صفت) جانتے ہو۔

فرمایا: وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (51) اور اس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجیے بلاشبہ وہ (اللہ کے) خاص کیے ہوئی (بندے) تھے اور وہ پیغمبر (اور) نبیؐ تھے۔

یہود جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اُمتی ہونے کے دعوے دار تھے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت سی عجیب وغریب کہانیاں تراش رکھی تھیں اور بے شمار قصے خلط ملط کر کے بنا رکھے تھے۔ اسی لیے ارشاد ہو رہا ہے کہ انہیں ذرا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حقائق بیان فرما دیجیے کہ یہ خود کو جس نبیؐ کا اُمتی اور پیروکار کہتے ہیں اُنؐ کی حقیقت حال سے ناآشنا ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے خاص کیے ہوئے، چنے ہوئے بندے تھے۔ مُخْلَصًا۔ سراپا خلوص تھے، اللہ کے خالص بندے تھے جنہیں اللہ نے بنایا ہی خلوص سے تھا۔ اللہ کریم کے منتخب بندے تھے اور یہ یہود جو اُن کے اُمتی ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں ان میں تو خلوص ہی نہیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبیؐ اور رسولؐ تھے۔ ہر رسولؐ، اللہ کا نبیؐ ہوتا ہے لیکن ہر نبیؐ، رسولؐ نہیں ہوسکتا۔ رسولؐ اور نبیؐ میں فرق یہ ہے کہ جو نبیؐ نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ہوتا ہے وہ رسولؐ کہلاتا ہے، اور جو کسی پہلے سے جاری شریعت کو جاری رکھتا ہے وہ نبیؐ کہلاتا ہے۔ انبیاءؑ و رسلؑ سارے ہی اللہ کے مقرب، معصوم عن الخطا مخلوق کو دعوت الی اللہ دینے والے اور ہدایت کا مینار ہوتے ہیں۔ دین کی روح بھی اخلاص ہے۔ حصولِ اخلاص کے لیے صفائے باطن دین کا اہم شعبہ ہے لیکن اس میں بھی خلوص نیت شرط ہے۔

اخلاص کی اہمیت:

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ذکر اذکار اور تصوف کے لئے خلوص بنیادی شرط ہے، اور خلوص کی بنیاد ہی اس بات پر ہوتی ہے کہ جو کام کیا جائے وہ محض اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اور اس میں کوئی ذاتی مفاد یا غرض نہ ہو۔ بالخصوص اہلِ تصوف اس بات پر خصوصی توجہ دیں کہ جب اللہ کریم کی طرف سے انعامات مشاہدات یا کمالات ومقامات عطا ہوتے ہیں تو عوام میں اہلِ تصوف کی عزت بننا شروع ہوجاتی ہے۔ یہ معاملہ قابلِ توجہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اس خواہش میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ لوگ مجھے بہت پارسا سمجھیں، بہت نیک گمان کریں اور خلوص سے عاری ہوجاتا ہے۔ دوسری برائی یہ پیدا ہوجاتی ہے کہ پھر عقیدت مندوں سے دنیوی مفاد حاصل کرنے لگتا ہے۔ جب یہ کام شروع ہوتے ہیں تو چونکہ یہ تصوف کے منافی ہیں تو کمالات وانعامات رخصت ہوجاتے ہیں اور پیچھے صرف دنیاداری رہ جاتی ہے۔ لہٰذا اہلِ تصوف کو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے کہ اُن کا مجاہدہ خلوص پر مبنی ہو، اس میں للّٰہیت ہو، اللہ کی عظمت کے لیے ہو نہ کہ اپنی بڑائی کے لیے۔ اور اُن کا تعلق لوگوں سے، بھی محض اللہ کے لیے ہو۔ اللہ کی مخلوق سے تعلق صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو، کسی ذاتی لالچ کے لیے نہ ہو۔ یہ نہ کیا جائے کہ فلاں شخص نے بہت دیا لہٰذا وہ عزیز ہوگیا اور فلاں تو غریب ہے اس سے بھلا مجھے کیا ملے گا؟ یہ دیکھا گیا ہے کہ تصوف میں محنت مجاہدے کرنے والوں کو جب اپنی پارسائی منوانے کا شوق ہوا تو لوگوں سے مفادات حاصل کرنے لگے اور پھر اس میں ہی الجھ گئے اور لوگوں کی درجہ بندی کرنے لگ گئے۔ جو زیادہ دے اُسے اچھا اور جو کم دے اُسے کمتر سمجھنے لگے لہٰذا اُن سے اصل بات رخصت ہوگئی کیونکہ لوگوں سے اُمیدیں وابستہ کرنا بھی شرک کا ایک شعبہ ہے۔ جب لوگوں سے اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں تو ان میں شرک کا شائبہ شروع ہوجاتا ہے اس لیے

کہ انسان کی ساری امیدیں صرف ذاتِ باری سے وابستہ ہونی چاہئیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کا ذکرِ خیر بھی، اپنی کتاب قرآنِ کریم میں فرما دیجیے کہ وہ اللہ کے خاص کیے ہوئے بندے تھے، سراپا خلوص تھے اور تم جو خود کو اُن کا اُمتی کہتے ہو تم تو سراپا فریب ہو۔ وہ تو اللہ کے نبیؑ اور رسولؑ تھے جن پر اللہ نے خاص کرم فرمایا کہ انہیں ہم نے طور کی داہنی جانب سے پکار کر ان سے خاص باتیں کرنے کے لیے نزدیک تر بلایا اور انہیں اپنا بہت قرب عطا کیا۔ یہاں وہ واقعہ ارشاد ہو رہا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اثنائے سفر طور پر آگ دیکھی اور قریب گئے تو ارشاد ہوا: اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ ۔۔۔ (طٰہٰ: 14) میں اللہ ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خاص قرب عطا فرمایا اور راز کی باتیں کرنے کے لیے انہیں تنہائی میں بلایا۔ اس پر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے کہ ذکر اذکار اللہ اللہ کرنے کے لیے علیحدگی میں، تنہائی اور پرسکون ماحول میں بیٹھنا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے ایسے مقرب بندے تھے کہ فرمایا: وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (53) ہم نے اُن پر اپنی رحمت فرمائی اور جب انہوں نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) کی سفارش کی تو ہم نے قبول فرمالی اور ہارون (علیہ السلام) کو نبوت عطا فرما کر انہیں موسیٰ (علیہ السلام) کا معاون بنا دیا۔

کائنات کا ہر ذرّہ اللہ کریم کی بے پناہ نعمتوں سے مستفید ہو رہا ہے لیکن اللہ کریم کی سب سے بڑی نعمت نبوت ہے۔ انبیاءؑ اللہ کریم کے برگزیدہ، پسندیدہ اور مخلص بندے ہوتے ہیں۔ فرمایا اس کتاب میں ہمارے برگزیدہ بندے اسمٰعیل علیہ السلام کا بھی ذکرِ خیر فرما دیجیے کہ وہ تو وعدے کے سچے تھے اور اُن کی عظمت یہ ہے کہ وہ میرے نبیؑ بھی تھے اور رسولؑ بھی تھے۔ میں نے انہیں نئی شریعت بھی دی اور وہ میرے مقرب بھی تھے۔

مشرکینِ مکہ نے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی پیروی کا دعویٰ کر رکھا تھا اور اُن کے نام پر بہت سی رسومات جاری کر رکھی تھیں اور بہت سے عجیب و غریب افعال کرتے تھے۔ ستم یہ تھا کہ وہ کہتے تھے یہ سب ہم انؑ کی اتباع میں کرتے ہیں۔ تو فرمایا، اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن میں فرمائیے کہ وہ تو وعدے کے سچے تھے۔ اللہ سے اللہ کی ربوبیت کے اقرار کا، جو وعدہ انہوں نے ازل کو کیا، جو تمام لوگوں نے کیا تھا، انہوں نے نبھایا لیکن تم مشرکین اس وعدے سے پھر گئے ہو۔ تم نے وعدہ تو کیا کہ اللہ، تُو ہی ہمارا پروردگار ہے لیکن آج تم نے کتنے حاجت روا مان رکھے ہیں، کہیں پتھر کے بت بنا لیے، کہیں لکڑی کے بت اور کبھی کسی پہاڑ کو، کبھی جنات، آگ، سورج اور ستاروں کو خدا بنا رکھا ہے۔ اس کردار کے ساتھ تمہارا یہ دعویٰ کہ تم اُن کے اُمتی ہو، ہرگز درست نہیں کہ وہ وعدے کے سچے جبکہ تم وعدہ خلافی کرنے والے لوگ ہو۔

اللہ کریم نے ازل میں انسانوں سے وعدہ لیا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۔۔۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا قَالُوْا بَلٰى (الاعراف: 172) بے شک اللہ کریم آپ ہی ہمارے ربّ ہیں، ہمارے پالنہار ہیں۔ یہاں ایک قابلِ غور اور عجیب بات ہے کہ اللہ کریم نے یہ نہیں پوچھا کہ کیا میں تمہارا معبود نہیں ہوں بلکہ پوچھا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں۔ یعنی تمہاری ساری ضروریات پوری کرنے والا وحدہٗ لاشریک نہیں ہوں؟ سچ تو یہ ہے کہ انسان عبادت تو اللہ کی کرتا رہتا ہے لیکن ضروریاتِ دنیا کے معاملے میں بھٹک جاتا ہے۔ کبھی کسی دروازے سے اُمیدیں وابستہ کر لیتا ہے کبھی کسی در سے۔ ازل میں لیا گیا عہدِ الست جو یہی تھا کہ تم دنیا میں جاؤ گے اور تمہاری بے شمار ضروریاتِ دنیا ہوں گی تو تم کس کو پکارو گے، کس کے در سے امیدیں وابستہ کرو گے، کس سے مانگو گے؟ یہی وہ مقام ہے جہاں اکثریت بھٹک جاتی ہے اور اپنی امیدیں مخلوق سے وابستہ کر لیتی ہے۔ کبھی اُمیدیں حکمرانوں سے لگا لیتے ہیں، کبھی امراء سے۔ حد تو یہ ہے کہ کبھی غائبانہ قوتوں سے مدد مانگتے ہیں۔ کیسے عجیب لوگ ہیں! فرمایا، جب تمہارا پروردگار، تمہارا ربّ اللہ ہے جو ربّ العالمین ہے، ہر مخلوق کی ہر ضرورت

ہر آن پوری فرما رہا ہے تو تم اس سے مانگو۔ اپنے ربّ سے درخواست کرو کہ میری یہ ضرورت ہے پوری فرما دیجیے۔ جب ربّ العالمین ہر ایک کی ضرورت پوری فرما رہا ہے تو پھر کسی اور سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ لوگ ہیں کہ ربّ کو چھوڑ کر عارضی سہارے پکڑتے ہیں، اپنی اُمیدیں غائبانہ قوتوں سے منسوب کر لیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ میرے پاس جن ہوتے تو میرے سارے کام ہو جاتے، کبھی ہمزاد کو قابو کرنے میں ساری عمر لگا دیتے ہیں اس امید پر کہ ہمزاد ہوتا تو کتنی ضرورتیں پوری کر دیتا حالانکہ حقیقی کارساز صرف اللہ ہے۔ جنات ہوں یا شیاطین و ہمزاد سب اس کی مخلوق اور مملوک ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے ارشادِ عالی کے مطابق جب کوئی انسان پیدا ہوتا ہے تو ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے جو اس کے ساتھ لگ جاتا ہے اور پھر ساری زندگی اُسی انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ جب وہ انسان مر جاتا ہے تو یہ شیطان اس کی قبر پر بیٹھا رہتا ہے۔ یہ شیطان ہمزاد ہے۔ آج کل مغرب میں اس بات کا بہت دور دورہ ہے۔ کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مرنے والوں کی روح کو بلا سکتے ہیں۔ وہ اس کا برملا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ انہوں نے فلاں کی روح کو بلا لیا لیکن حق یہ ہے کہ ارواح کو بلانا ممکن نہیں ہے۔ ارواح کو بلانے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ارواح دو میں سے ایک حالت میں ہوتی ہیں ثواب پاتی ہیں یا عذاب۔ ارشادِ نبوی ہے: اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْحُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا ہے۔ اب جو برزخ میں ہیں اور اہلِ جنت میں سے ہیں تو اگر اہلِ دنیا انہیں کسی طریقے سے کھینچ کر پیچھے بلا سکتے ہوں تو پھر انہیں جنت کا کیا فائدہ اور اُن کے لیے کیا راحت ہوگی؟ بلکہ اُن کے لیے تو مصیبت ہوگی کہ جس کا جی چاہے انہیں جنت سے کھینچ کر لے آئے۔ دوسری طرف جو عذابِ دوزخ میں گرفتار ہیں، اگر اہلِ دنیا انہیں بلا سکیں تو اُن کی تو بہت موج ہوگی کہ اتنی دیر تو کم از کم دوزخ سے نکل آئے۔ واضح ہو کہ یہ سفر تو آگے کی طرف ہے پیچھے کی طرف کوئی نہیں لا سکتا لہٰذا یہ بات تو طے ہے کہ ارواح واپس نہیں آ سکتیں اور برزخ سے دنیا میں کوئی واپس نہیں آتا۔ جو عامل، روحوں کو بلاتے ہیں، دراصل اُن کے بلانے پر ہمزاد آتا ہے، وہی شیطان جو مرنے والے کے ساتھ زندگی بھر رہتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر رہتا ہے۔ چونکہ وہ اس شخص کی پوری زندگی سے واقف ہوتا ہے اس کے لب و لہجے اور حُلیے سے واقف ہوتا ہے لہٰذا اس کی آواز اور حلیہ بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔ عامل کے بلانے پر شیاطین حاضر ہوتے ہیں، ارواح نہیں آتیں۔

اللہ کریم کے بعض مقرب بندوں کو منجانب اللہ کمالات عطا ہوتے ہیں، مشاہدات عطا ہوتے ہیں۔ جن اہل اللہ کو یہ کمال نصیب ہوتا ہے کہ وہ ارواح سے کلام کر سکتے ہیں وہ ارواح کو بلاتے نہیں بلکہ اُن کی ارواح برزخ میں جا کر اُن سے کلام کرتی ہیں۔

اپنے اہل و عیال کو عبادات کی تلقین کرنی چاہیے:

مشرکینِ مکہ کا یہ حال تھا کہ دوسروں کو عبادات کی دعوت دیتے تھے اور خود اپنے لیے دعائیں رکھی ہوئی تھیں۔ خود ساختہ عبادت کے نام پر جو رسومات بنا رکھی تھیں وہ بھی خود پوری نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو کہتے کہ عبادت کرو بلکہ حج کے موقع پر عرفات میں بھی حاضر نہیں ہوتے تھے، مزدلفہ سے ہی لوٹ جاتے، عبادات میں کمی کرتے اور کہتے کہ ہمارے لیے ساری رسومات ادا کرنا ضروری نہیں ہیں۔ مشرکینِ مکہ خود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروکار بھی کہتے تھے تو ارشاد ہوتا ہے: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (55) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تو اللہ کے مقرب بندے تھے جو اپنے اہلِ خانہ کو بھی عبادات کی تلقین کرتے تھے۔ وہ اپنے بیوی بچوں اور متعلقین کو بھی نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اللہ کے بہت پسندیدہ اور مقرب بندے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بندے کو اپنے ساتھ ساتھ اپنے بیوی بچوں، اور دیگر اہلِ خانہ کا بھی خیال رکھنا چاہیے اور اولاد کی تربیت اس طرح کرنی چاہیے کہ اُن

کے دلوں میں عظمتِ الٰہی ہو اور اللہ کی عبادت پر راسخ ہو جائیں۔ اُنہیں ذکراللہ کی تلقین کی جائے اور فرائض سنن واجبات اور نوافل ادا کرنے کا عادی بنایا جائے۔

یہ باتیں جو بیان کی جارہی ہیں، انبیاءؑ کرام اور اُن کی قوموں کے حالات ارشاد ہو رہے ہیں، ان میں ایک اصول واضح کر دیا گیا ہے کہ کسی بھی نبیؑ کی اُمت کہلانے کے لیے اپنے کردار کو اس نبیؑ کی اطاعت میں ڈھالنا ہوگا۔ جیسے گزشتہ آیات میں یہود کو مخاطب کیا گیا کہ تمہارا کردار اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے کتنا مختلف ہے۔ ایسے ہی مشرکینِ مکہ کو کہا گیا کہ تم اسمٰعیل علیہ السلام کی اُمت ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہو جبکہ تمہارا کردار اُنؑ سے بالکل الگ ہے۔ انسان لاکھ دعویٰ کرتا رہے کہ وہ اپنے نبیؑ کا اُمتی ہے، اس سے بات نہیں بنے گی جب تک اس کا عقیدہ، ایمان ویقین اور عمل نبیؑ کی متابعت میں نہ ہوں۔

آج ہم بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی اُمت ہیں لیکن ہم اپنے عقائد ونظریات کی پرواہ ہی نہیں کرتے اور اپنے کردار کو بھی نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں نہیں ڈھالتے تو پھر آپ ﷺ کی اُمت کیسے بن سکتے ہیں؟ قرآن کریم ہمیں گزشتہ اُمتوں کے حالات اس لیے ارشاد فرمارہا ہے تاکہ ہم بھی اپنے عقیدے، نظریات اور کردار پر غور کریں اور کردار کو جانچیں کہ کیا ہمارا کردار نبی کریم ﷺ کے تابع ہے؟

فرمایا: وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (56) وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (57) اس قرآن میں ادریس (علیہ السلام) کا ذکر بھی فرمایئے، وہ صدیق بھی تھے اور نبیؑ بھی تھے۔ یہ بحث گزشتہ اسباق میں گزر چکی ہے کہ صدیق سچے کو بھی کہتے ہیں اور یہ ایک منصب بھی ہے۔ انبیاءؑ میں جو صدیق ہیں وہ بحیثیتِ نبیؑ ہیں اور اولیاء میں جو اس منصب پر فائز ہوتا ہے وہ بحیثیت ولی ہوتا ہے، یہ فرق اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ بہرحال صدیقیت ایک بہت اعلیٰ منصب ہے جو خاص خاص انبیاءؑ کو عطا ہوا اور اُمتوں میں اللہ کے خاص خاص بندوں کو ملا لیکن ایسے لوگ صدیوں میں کہیں ملتے ہیں۔

فرمایا: ادریس (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے وہ صدیق بھی تھے اور نبیؑ بھی تھے اور پھر ہم نے اُن پر اتنا کرم فرمایا کہ انہیں بہت بلندی پر، بہت اونچی جگہ پر اٹھا لیا۔ مفسرین کرام نے یہاں یہ مراد لیا ہے کہ انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھایا گیا اور باقی زندگی انہوں نے چوتھے آسمان پر پوری کی اور چوتھے آسمان پر ہی اُن کا وصال ہوا۔ معراج شریف سے متعلق حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ہوئی۔ یہاں اس سے یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ ہم نے انہیں بہت ہی بلند منصب عطا کیا کہ وہ نبیؑ بھی تھے اور صدیق بھی تھے۔

فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ ...... یہ سب انبیاءؑ وہ ہیں جن پر اللہ کریم نے بہت انعام فرمائے، بہت احسان فرمائے کہ اُنؑ کو نبوت و رسالت عطا فرمائی، کتاب اور شریعت عطا فرمائی اور وہ مخلوق کے لیے ہدایت کا سبب بنے۔ اللہ کریم نے ان حضرات کو بہت بلند درجات عطا کیے اور صدیقیت تک عطا فرمائی لیکن یہ سب انبیاءؑ، مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ حضرت آدم (علیہ السلام) کی اولاد تھے، سب انسان تھے اور اللہ کی مخلوق تھے۔ اللہ کی ذات کا حصہ نہیں تھے بلکہ سب (آدم علیہ السلام) کی اولاد میں سے تھے، بشر تھے۔ چونکہ لوگوں نے انبیاءؑ کے متعلق عجیب و غریب قصے گھڑ رکھے تھے اور انبیاءؑ کی پرستش شروع کر رکھی تھی اُن کی قبروں کو سجدے کرتے تھے لہٰذا یہاں اصلاح فرما دی کہ یہ تمام حضراتؑ انسان تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو سجدے کرنے شروع کر دیئے تھے لیکن تم میری قبر کو ہرگز سجدہ گاہ نہ بنانا۔

یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ نے ان ہستیوں پر بہت انعامات فرمائے، بلند درجات عطا کیے لیکن یہ سارے انبیاءؑ، آدمؑ کی اولاد میں سے تھے، سب بشر تھے، انؑ کی بشریت غیر نبیؑ کی بشریت کی طرح نہیں تھی۔ انبیاءؑ بشریت کی کمال پہ ہوتے ہیں اور غیر نبیؑ اُن کی بشریت کو

نہیں پا سکتا۔ آج یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ انبیاءؑ بشر نہیں ہوتے، تو اس کی وجہ یہ ہے ہم خود کو بشر سمجھے بیٹھے ہیں اور اس پر قیاس کرتے ہوئے انبیاءؑ کی بشریت کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ ہم تو شاید حیوانوں سے بھی بدتر ہوں جبکہ انبیاءؑ تو کامل بشر ہوتے ہیں۔

فرمایا: وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِ يْلَ وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا...... کچھ نوح (علیہ السلام) کی اولاد میں سے انبیاءؑ ہوئے، جن لوگوں کو اللہ کریم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا لیکن وہ بھی اور بعد میں بھی جتنے انبیاءؑ بھیجے گئے وہ سب بھی بشر تھے، لائق عبادت نہیں تھے۔ لوگوں کو اُن کی پرستش نہیں بلکہ ان کی پیروی، اُن کا اتباع کرنا چاہیے تھا کہ وہ ایسے لوگ تھے کہ اُن کے قلوب انوارات و برکات اور قربِ الٰہی سے لبریز تھے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کو اتنا قربِ الٰہی نصیب تھا کہ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ...... جب اُن کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتیں خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (58) تو وہ روتے ہوئے سربسجود ہو جایا کرتے، اُن کے اشک رواں ہو جاتے اور ہچکیاں بندھ جایا کرتی تھیں۔ اُن کے قلوب میں عظمتِ الٰہی اس قدر موجزن تھی کہ کلامِ الٰہی سن کر روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے اور تم جو اُن کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہو تم پر تو کلامِ الٰہی کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ تم کلامِ الٰہی سنتے نہیں، سن لو، تو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور سمجھ لو تو اس کی مخالفت کرتے ہو اور مخالفت میں دلائل دیتے ہو۔ اپنے اس کردار کے ساتھ انبیاءؑ کی اُمت ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے ہو؟ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے۔

مرورِ زمانہ بھی اپنے عجیب اثرات رکھتی ہے کہ یہ فاصلے پیدا کر دیتی ہے اور زمانے کی گردش سے حالات بدلنے لگتے ہیں، انسانوں کے نظریات اور کردار بدل جاتے ہیں۔ ایسے ہی جب اللہ کے یہ اولوالعزم رسولؑ جو نبیؑ اور صدیق تھے، صاحب کتاب اور صاحب شریعت تھے، اللہ کے مقرب اور پسندیدہ تھے اور ایسے منور اور رقیق القلب کہ جب اللہ کی آیات سنتے تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے، دنیا سے پردہ فرما گئے فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (59) اُن کے بعد ایسے ناخلف لوگ اُن کے جانشین بن بیٹھے جنہوں نے نمازیں ضائع کیں اور خواہشات نفس کی پیروی میں لگ گئے۔ ان نااہل لوگوں نے غلط راستہ اختیار کیا لہٰذا عنقریب یہ لوگ تباہی و بربادی دیکھیں گے۔

جانشینی کے لیے اہلیت شرط ہے:

یاد رہے انبیاءؑ کی وارثت اُن کے علوم اور برکات ہوتی ہیں، اُن کے انوارات ہوتے ہیں، اسی لیے علمائے کرام کو انبیاءؑ کا وارث کہا گیا ہے کہ اُن کے پاس انبیاءؑ کے علوم ہوتے ہیں، برکات و انوارات ہوتے ہیں۔ فرمایا گیا: اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ (ابن ماجہ) بیٹے کا وارث ہونا یا جانشین ہونا درست ہے مگر شرط یہ ہے کہ بیٹے میں وہ اہلیت ہو، اُس میں استعداد ہو اور اس نعمت کا حامل ہو۔ انبیاءؑ کے بیٹے بھی اُن کے وارث ہوئے ہیں جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام اُن کے وارث ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وارث حضرت اسحٰق علیہ السلام ہوئے اُن کے وارث حضرت یعقوب علیہ السلام اور اُن کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام آئے اور یوں یہ وارثت چلی، لیکن سب میں اہلیت و استعداد تھی اور سب کے پاس نورِ نبوت تھا۔ ورنہ محض کسی کا بیٹا ہونا کمال نہیں ہے کہ نوح علیہ السلام بھی اللہ کے نبیؑ تھے اور آدم ثانی کہلائے لیکن وہ اُن کا بیٹا ہی تھا جو کفار کے ساتھ طوفان میں غرق ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا، بارِ الٰہا آپ کا وعدہ تھا کہ میرے گھر والوں کو بچا لیں گے تو یہ میرا بیٹا! فرمایا، یہ آپؑ کا بیٹا آپؑ کے اہل میں سے نہیں ہے اس لیے کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ...... (ھود: 46) اس کا کردار صحیح نہیں تھا، یہ آپؑ کا کچھ نہیں لگتا۔

ولایت میں جانشینی کے لیے بھی یہی شرط ہے کہ اگر بیٹا جانشین

بنے تو اس میں استعداد و اہلیت ہونی چاہیے، وہ کمال حاصل کیا ہو جس سے مخلوق کی اصلاح کر سکے، مخلوق کو وہ نعمت پہنچا سکتا ہو۔ اگر یہ اہلیت ہو تو بیٹے کا جانشین بننا مناسب ہے، بری بات نہیں ہے۔ لیکن محض بیٹا ہونے کی وجہ سے جانشین بن جانا درست نہیں ہے کہ کسی کا بیٹا ہونا کوئی کمال نہیں ہے۔ اہل اللہ کے ساتھ کردار کا رشتہ شرط ہے، جو کمال اُن میں ہے وہ کمال حاصل کرے۔ جو کام وہ کر رہے تھے اسی طرح مخلوق کی اصلاح کا کام کرے تو بیٹا جانشین ہو سکتا ہے۔ ورنہ کوئی ذی استعداد فرد اُن کی بنائی ہوئی جماعت میں سے جانشین مقرر ہو سکتا ہے۔ مروجہ نظام کہ باپ کے مرنے کے بعد نااہل جانشین ہو گیا یہ بالکل غلط ہے اور نااہل اگر جانشین بنے گا تو وہ نعمتیں ضائع کرے گا، عبادات میں بھی نقصان کرے گا اور برکات میں بھی نقصان کرے گا، اور پھر جب مخلوق اس کے پیچھے لگے گی تو وہ خواہشاتِ نفس میں مبتلا ہو جائے گا۔ جو لوگ انبیاءؑ، صلحاء، اولیاء اللہ کے جانشین بن گئے لیکن وہ استعداد حاصل نہ کی، اُن سے برکات حاصل نہ کیں اُن کے دل میں نورِ ایمان کا اور ہدایت کا وہ درجہ نہیں تھا لہٰذا گمراہ ہو گئے۔ یہ نااہل لوگ خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے لگے اور عبادات میں نقصان کیا اور اپنے متعلقین کو بھی گمراہ کر دیا۔

ایسے نااہل پیشوا خود گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا تو فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (59) ایسے لوگ عنقریب بہت بڑی تباہی اور بربادی میں جا پڑیں گے۔ اِن لوگوں کو صرف اپنے گناہوں کی سزا ہی نہیں ہو گی بلکہ جتنے لوگوں کو گمراہ کیا اُن سب کی گمراہی اور اس کی وجہ سے ہونے والے گناہوں کا وبال بھی ان پیشواؤں پر پڑے گا۔ جتنی سزا پیروکار کو ملے گی اتنی ہی سزا پیشوا کو بھی بھگتنی ہو گی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ عالی ہے کہ اگر کوئی نیک کام کرتا ہے اور لوگوں کو نیکی پہ لگاتا ہے اور وہ لوگ مزید اس نیکی کو پھیلاتے ہیں تو جب تک وہ نیکی چلتی رہے گی اُس پہلے شخص کو بھی وہ درجۂ ثواب ملتا رہے گا۔ کوئی کسی کو برائی پر لگاتا ہے تو جب تک وہ برائی چلتی جائے گی جتنا گناہ ان لوگوں کو ملے گا اتنا اُس اکیلے شخص کو ملے گا جس نے برائی پر لگایا۔

اللہ بہت کریم ہیں ان کے کرم کا در یہاں بھی وا ہے، فرمایا: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (60) ہاں اُن کو معاف کر دوں گا جو توبہ کریں گے۔ اتنی بڑی برائی کے بعد کہ کسی نیک بندے کا جانشین بنے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتا رہا، اس پر انہوں نے خاک ڈال دی اور لوگوں کو گمراہ کر دیا، برائی پر لگا دیا۔ ایسے ظالموں کے لیے بھی اللہ کریم نے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔ یہ اس کے کرم کی ایک جھلک ہے کہ اگر کوئی اتنے ظلم کے بعد بھی موت سے پہلے توبہ کر لے گا، عمل بھی درست کرے۔ توبہ کے دو جز ہیں، سب سے پہلا ہے عقیدے کی اصلاح، کہ عقیدے میں جو خرابی آ گئی ہے اس کی اصلاح کرے اور عقیدہ صحیح کر لے۔ دوسرا جز ہے کہ اپنا عمل درست کرے سنت کے مطابق کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں پھر ایسے لوگوں کو بھی اگر وہ توبہ کر لیں گے تو میں جنت میں داخل کر دوں گا۔ یہ اللہ کا کتنا کرم ہے کہ ایسے ظالموں کے لیے بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا گیا اور جس کا بھی احساس زندہ ہو جائے اور وہ توبہ کر لے اور اپنا عقیدہ اور کردار درست کر لے تو اللہ کریم اُسے بھی جنت میں داخل کر دیں گے۔ فرمایا، کسی کے ساتھ ذرہ برابر زیادتی نہیں ہو گی۔

ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم زبانی توبہ توبہ کہتے رہتے ہیں، نہ ایمان کی فکر کرتے ہیں نہ عمل کی، یہ درست نہیں ہے۔

اللہ توبہ کرنے والے اِن لوگوں کو اُن ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کا وعدہ اللہ، رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ کر رکھا ہے، فرمایا: جَنّٰتِ عَدْنِ ࣙالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا (61) اللہ کریم نے اپنے بندوں سے عِبَادَهٗ یعنی جنہوں نے ثابت کیا کہ ہم اللہ کے بندے ہیں، ہم خواہشاتِ نفس کے بندے نہیں، شیطان کے بندے نہیں، دنیا کے بندے نہیں ہیں بلکہ صرف اللہ رب العالمین کے بندے ہیں، اُن

سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے۔ کسی نے جنت دیکھی نہیں کوئی وہاں گیا نہیں لیکن اللہ پر غائبانہ ایمان ہے اور اللہ کے وعدے پر اللہ کے بندوں کو یقین ہے کہ اللہ انہیں یہ منصب اور یہ نعمت ضرور عطا فرمائے گا۔ اللہ انہی بندوں کے ساتھ توبہ کرنے والوں کو بھی داخل کر دیں گے اور بے شک اللہ کے وعدے کھرے، سچے اور پکے ہیں اور اُن پر عمل ہونے والا ہے، وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچنے والے ہیں۔ اللہ کریم کا کوئی وعدہ ایسا نہیں ہے جو ادھورا رہ جائے یا جس کی خلاف ورزی ہو جائے۔

اللہ کریم کا وعدہ سچا ہے اور وہ لوگ جنتوں میں داخل ہو جائیں گے فرمایا: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا (62) جس میں بے پناہ نعمتیں ہوں گی اور جنت کی سب سے اعلیٰ خصوصیت یہ ہوگی کہ وہاں کوئی فضول بات سننے کو نہیں ملے گی۔ فضول یا لغو بات اُس بات کو کہتے ہیں جو غیر نافع ہو جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ جنت میں جو بات بھی سننے کو ملے گی اس میں عظمتِ الٰہی ہوگی، خیر ہوگی، نیکی اور بھلائی ہوگی، خوشی اور راحت اور سکونِ قلب ہوگا۔ وہاں کوئی فضول کلمہ نہیں ہوگا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں بھی کوئی آرام اور سکون میں رہنا چاہے تو اُسے چاہیے کہ اپنی زبان اور کان دونوں کی حفاظت کرے، نہ فضول بات کرے اور نہ ہی سنے تو اس کی زندگی آرام سے گزرے گی۔ ہم ساری زندگی شکایت کرتے رہتے ہیں کہ ہم بہت پریشان ہیں اور ہمیں پریشانیوں نے گھیر رکھا ہے، تو اس کا آسان ساحل ہے کہ ہم لوگوں سے وہ تمام باتیں سننا چھوڑ دیں جن باتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اور اپنی زبان سے غیر ضروری باتیں کرنا چھوڑ دیں تو زندگی کی ساری پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔ میرے پاس سرحد سے ایک سیکرٹری صاحب تشریف لائے جو سلسلہ سے منسلک تھے اور ذکر کرتے تھے۔ کہنے لگے کہ بہت پریشان ہوں، بات کرنا چاہتا ہوں۔ غالباً دن بھر مصروفیت تھی تو اُن سے کہا کہ شام کو آپ سے بات ہوگی پھر رات آپ یہیں قیام کر لیجیے گا۔ لیکن شام تک آپ ایک کام کیجیے کہ جتنی پریشانیاں آپ کو اپنی ذات سے وابستہ ہیں وہ الگ کر لیں اور جتنی پریشانیاں آپ نے دوسروں کی سمیٹ رکھی ہیں کہ فلاں نے یہ کہہ دیا، فلاں نے وہ کہہ دیا، فلاں وہ کر رہا ہے، وہ الگ کر دیں کہ اُن سے آپ کا تعلق نہیں۔ البتہ جو آپ کی پریشانیاں ہیں اُن پر ضرور بات ہوگی۔ خیر اگلے روز آئے اور کہنے لگے کہ میں نے ساری رات سوچا کہ میری تو کوئی پریشانی ہی نہیں ہے میں نے تو خواہ مخواہ ہی ارد گرد کی سمیٹ رکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کا تو مسئلہ ہی حل ہو گیا بس آپ ذکر کریں اور متوجہ الی اللہ رہیں اور اللہ سے دعا کریں کہ آئندہ بھی کوئی پریشانی نہ ہو۔

ہم کانوں اور زبان کی وجہ سے پریشانیاں اکٹھی کرتے ہیں۔ کبھی ہم ایسی غیر ضروری بات کہہ دیتے ہیں جس سے باہم رنجشیں بڑھتی ہیں، ناراضگیاں بڑھ جاتی ہیں اور دشمنیاں بن جاتی ہیں۔ کبھی ہم ایسی بات سُن لیتے ہیں اور خواہ مخواہ کُڑھتے رہتے ہیں حالانکہ اس بات سے ہمارا کوئی واسطہ یا نفع نقصان نہیں ہوتا۔ ہم نے ننانوے فیصد پریشانیاں یا بات کر کے یا بات سُن کر پیدا کی ہوتی ہیں۔ اگر تنہائی میں بیٹھ کر تجزیہ کیا جائے کہ میری ذاتی پریشانی کیا ہے تو ایک بھی نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے گھر دیا ہے، اولاد دی ہے، ماں باپ کی خدمت کر رہے ہیں، دال روٹی مل رہی ہے عزت آبرو سے گزر بسر ہو رہی ہے۔ اللہ کا نام لیتے ہیں، ذکر اذکار کرتے ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں، اس میں کیا پریشانی ہے؟ لیکن جب سنتے ہیں فلاں نے یہ کہا تو خواہ مخواہ آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ یہ غیر ضروری بات سننے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح کسی کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو آگے ناراضگیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ پریشانی بن جاتی ہے دنیا میں انسان اگر اپنی گویائی اور سماعت پر قابو پالے تو بے شمار پریشانیوں سے بچ سکتا ہے۔

جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ کوئی پریشانی والی بات، کوئی فضول بات نہیں ہوگی بلکہ ہر بات ہی سلامتی والی، نفع والی اور سکونِ قلب والی ہوگی جو اہل جنت سنیں گے۔

جنت کی یہ خصوصیت بیان کرتا کہ وہاں کوئی فضول بات نہیں سنائی دے گی اور سلامتی کی بات ہوگی کوئی پریشانی نہیں ہوگی، اس بات کی

دلیل ہے کہ دنیا کی ایک بہت بڑی پریشانی فضول، لغو باتیں ہیں اور اس کا علاج اس طریقے سے کرنا چاہیے کہ زبان کو فضول باتوں سے اور کانوں کو فضولیات سننے سے روکنا چاہیے۔

فرمایا: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا (62) انہیں صبح شام بے حد عمدہ کھانا ملے گا۔ اہل جنت کو جو کھانا پیش کیا جائے گا اس کی خاصیت یہ ہوگی کہ ہر لمحے جو کھایا جائے گا وہ گذشتہ لمحے کے کھانے سے زیادہ لذیذ ہوگا۔ جنت میں اہل جنت کے یہ مزے بھی ہوں گے کہ ہر لقمہ، اسی کھانے کے پہلے لقمے سے زیادہ لذیذ ہوگا۔ اگر پھل کھائیں گے تو بھی دوسرا پھل پہلے سے لذیذ ہوگا یعنی ہر آن نعمتوں میں ترقی ہوتی رہے گی۔

فرمایا: تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (63) یہ وہ جنت ہے جو ہم نے اپنے پرہیز گار بندوں کی وراثت بنادی ہے، کہ یہ انہیں کی ہے، انہیں کے لیے بنائی گئی ہے۔ جس طرح وراثت ایک قانونی حق ہے، ایک ٹھوس حقیقت ہے اسی طرح جنت اُن کا حق ہے، شرط یہ ہے کہ مِنْ عِبَادِنَا میرے بندوں کے لیے دنیا کے بندوں کے لیے نہیں۔ میرے بندوں کی صفت ہے کہ وہ كَانَ تَقِيًّا (63) پرہیز گار ہوتے ہیں، متقی ہوتے ہیں، زندگی اس انداز میں گزارتے ہیں کہ اللہ کو راضی رکھیں اور رسول اکرم ﷺ کا اتباع کریں۔ تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ اتباعِ رسالت پناہی ﷺ کا نام ہے، جس سے اتنا قربِ الٰہی نصیب ہوجائے کہ پھر بات کرتے وقت بھی یہ احساس ہو کہ ایسی بات نہ کروں جو میرے اللہ کو پسند نہ ہو۔ ہر کام کرتے وقت یہ احساس ہو کہ ایسا کوئی کام نہ کروں جو میرے اللہ کو ناراض کردے۔ یہ کیفیت تقویٰ کہلاتی ہے۔ ہم دنیا میں یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ کسی معاملے میں کہہ دیتے ہیں کہ بھائی صاحب امریکہ یا برطانیہ میں رہتے ہیں اُن سے پوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ اُن سے بات کریں گے پھر فیصلہ کریں گے، اُن سے مشورہ کیے بغیر ہی کردیا تو کہیں وہ خفا نہ ہوجائیں۔ ایسا رشتہ جب ربّ العالمین سے بن جائے کہ انسان یہ سوچے کہ میں جو بات منہ سے نکالنے والا ہوں کہیں یہ اللہ کو ناپسند تو نہیں اور رک جائے کہ میں ایسی بات نہیں کروں گا۔ کوئی کام کرنے سے پہلے یہ سوچ لے کہ یہ کام گناہ تو نہیں، اللہ کی نافرمانی کا کام تو نہیں، نبی کریم ﷺ کی شریعت کے خلاف تو نہیں اور اگر خلاف ہو تو کام کرنے سے رُک جائے کہ میں اللہ کریم اور اپنے نبی کریم ﷺ کو ناراض نہیں کرسکتا۔ یہ کیفیت جو انسان کو روک دینے والی ہے اِسے تقویٰ کہتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میرے بندے وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کفار کو بتادیجیے: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (64) کہ فرشتہ ویسے ہی وحی نہیں لاتا بلکہ ربّ العالمین کے حکم سے نازل ہوتا ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی گھٹانے بڑھانے کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس کے چہار طرف ہر چیز کا اور خود اس کا مالک اللہ ہے جو کبھی بھولتا بھی نہیں۔ فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (65) تمہارا رب تو اتنی شان والا ہے اتنی عظمتوں والا، کہ وہ کائنات کے ہر ذرّے کا ربّ، ہر ذرّے کا خالق اور مالک ہے۔ جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے وہ اُن سب کا ربّ ہے۔ جب ذرّے ذرّے کی بات ہورہی ہے تو آخر ذرّے میں کیا ہے؟ ہر ذرّے میں ایک جہاں بستا ہے اور یہ بہت عجیب بات ہے کہ جدید سائنس نے قرآن کریم کی تشریح کی ہے اور یہ فائدہ ہوا ہے کہ مزید تفصیل اور تشریح ہوجاتی ہے۔ افسوس کہ اکثر سائنسدان خود بھی سمجھ نہیں پاتے اور محروم رہ جاتے ہیں سوائے اللہ کے بندوں کے لیکن یہ بہت دلچسپ حقیقت ہے کہ جوں جوں سائنس ترقی کررہی ہے قرآن کی تصدیق ہورہی ہے، نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی تصدیق ہورہی ہے۔ ایک سائنسدان نے تجربہ کیا ہے، اس نے ایک ایسی خوردبین بنائی ہے جو چیز کو چار سو گنا بڑا کرکے دکھاتی ہے۔ اس خوردبین سے اس نے ریت کے ذرّوں کو تلاش کیا اور دیکھا کہ ہر ذرّے میں ایک جہان ہے اور اگر ذرّے کے اندر چیزوں کو مزید بڑا

کر کے دیکھنے والی خوردبین ہو اور اس کی تصویر کھینچی جائے تو نجانے ان چیزوں کے اندر اور کیا کچھ ہوگا؟ صحرا کی ریت کے ایک ذرّے میں کتنی قسم کی مخلوق ہے اور مستقبل میں اُمید ہے کہ ایسی خوردبینیں ایجاد ہو جائیں گی جو آگے تجزیہ کریں گی کہ اس میں اور کیا ہے۔ فرمایا، تمہارا ربّ تو زمینوں اور آسمانوں کا ربّ ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس کا بھی ربّ ہے اور اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ وہاں وہاں چیزوں کو پیدا کر رہا ہے، پال رہا ہے اور انجام کو پہنچا رہا ہے جہاں تمہاری نگاہ نہیں پہنچتی۔ ایک ریت کے ذرّے میں ایک جہان آباد ہے اور ایک انسان کے وجود میں دس کھرب سیل (CELL) ہیں اور ہر سیل میں موت وحیات جاری ہے ایسے ہی دوسرے جانداروں میں کتنے سیل ہوں گے، جانوروں میں، جمادات ونباتات، دھاتوں میں کتنے سیل ہوں گے اور سب میں موت وحیات جاری ہے۔ سائنسدانوں نے ایک ذرہ ریت کا ہی پھاڑا اور ایٹم بم بن گیا تو ابھی اور کتنی مخلوق پڑی ہے اور پتا نہیں اس میں کتنے ایٹم پڑے ہیں اور اس کے کتنے اور پہلو ہیں اور وہ سب کا ربّ ہے۔ تمہارا بھی وہی ربّ ہے، وہ جو اتنی مخلوق کی نگاہ داری کر رہا ہے۔ کیا تم اس کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے ہو، کیا وہ تمہارا ربّ نہیں ہے؟ اس کی ہستی تو عظیم ہے سو وَ اصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِہٖ...... اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت پر جم جاؤ، اس کی اطاعت پر جم جاؤ اور اس کی نافرمانی نہ کرو، اس کی دشمنی مول نہ لو کہ تمہارا ربّ آسمانوں اور زمینوں کا ربّ ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا ان جہانوں کو پیدا کرنے والا، قائم رکھنے والا، پالنے والا، مٹانے والا نہیں ہے تو تم اس ربّ کو چھوڑ کر مخلوق کے پیچھے بھاگتے ہو، کبھی کسی جادوگر کے پاس کبھی کسی عامل کے پاس جاتے ہو۔ کبھی بتوں کے آگے جھکتے ہو کبھی حکمرانوں کے جبکہ یہ سب محتاج ہیں، ان کا رواں رواں، محتاج ہے۔ لہٰذا اپنے ربّ العالمین کی عبادت پر ڈٹ جاؤ، اُسی سے ہر چیز مانگو، وہی عطا کرنے والا ہے۔ اس کی عبادت پر قائم ہو جاؤ اور گھاس کی طرح نہ جھولو کہ یہ مسلمانی نہیں ہے۔ اللہ کی اطاعت پر ڈٹ جاؤ۔ جینا مرنا، اٹھنا بیٹھنا، زندگی کا ہر لمحہ اسی کی اطاعت کے مطابق ڈھال لو۔ سادہ سی بات ہے اپنے ربّ کی اطاعت پر جم جاؤ۔ فرمایا: رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فَاعۡبُدۡہُ وَ اصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِہٖ ؕ ہَلۡ تَعۡلَمُ لَہٗ سَمِیًّا (65) کیا تم اس کا کوئی ہم نام جانتے ہو، کیا کوئی اور اللہ ہے، کیا کوئی اور اتنی قدرت کا، اتنے کمال کا مالک ہے؟ ہرگز نہیں۔ تمہارا پروردگار بہت بڑی رحمت، بہت ہی بڑی قدرت، بہت بڑے کمال کا مالک ہے۔ اس کا کوئی ثانی، کوئی شریک، کوئی ہمسر نہیں ہے۔

اللہ کی اطاعت کا پیغام اللہ کے رسول ﷺ نے دیا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے بَلِّغُوْا عَنِّي وَلَوْ اٰيَةً او کما قال رسول اللہ ﷺ یعنی تم سب میرے سفیر ہو تم نے صرف عمل ہی نہیں کرنا بلکہ اس طرح اطاعت کرنی ہے کہ تم سراپا اطاعت بن جاؤ اور پھر دوسروں تک بھی یہ پیغام پہنچاؤ۔ تمہارے پاس میرا ایک جملہ ہو تو وہ امانت ہے، اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ کہ تم سفیر ہو۔ ایک بات جس پر بندہ خود عمل پیرا نہ ہو اس کام کی دعوت وہ دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ جو کام وہ خود کرتا ہی نہ ہو وہ کسی دوسرے کو کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ کام کرو۔ البتہ جو کام وہ خود کرتا ہے تو دوسرے کو کہتا ہے کہ یہ کام اچھا ہے تم بھی کرو۔ نبی کریم ﷺ نے مومن کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے ارشاداتِ عالی کا امین ہے اور آپ ﷺ کا سفیر ہے لہٰذا اس کے ذمہ ہے کہ خود بھی دین پر زندہ رہے اور دین کو دوسروں تک پہنچائے۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ سے کسی نے عرض کیا کہ یہ گناہ مجھ سے چھوٹ نہیں رہا میری راہنمائی فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا تم اس گناہ کے خلاف وعظ کیا کرو، اس کے خلاف تبلیغ کرو۔ ایسا کرنے سے اللہ تمہیں توفیق دے دیں گے اور تم سے یہ گناہ چھوٹ جائے گا۔ یہ تبلیغ کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ کے دین پر عمل کرو، جب انسان خود باعمل ہو جاتا ہے تو وہ پیغام آگے پہنچانے کے قابل ہو جاتا ہے کہ جب کوئی گھڑا بھر جاتا ہے تو وہ آگے پانی پہنچاتا ہے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

❁❁❁

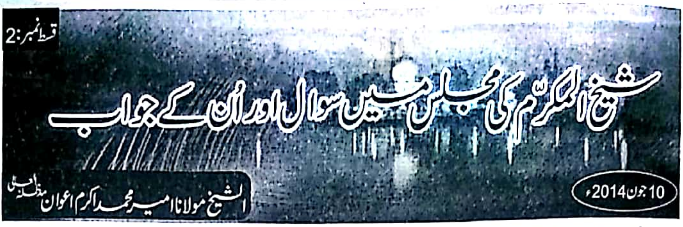

قسط نمبر:2

شیخ المکرمؒ کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

10 جون 2014ء

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سوال: یہ بہت ضروری سوال ہے اللہ کرے کہ یہ سب تک پہنچ جائے: حجامہ تھراپی طریقۂ علاج سنت ہے؟

جواب: آج کل بہت سی خباثتیں دین کے نام پر ایجاد کر لی گئی ہیں جو نری گمراہی ہیں اُن میں سے دو تین چیزیں ایسی ہیں جو ٹیلی ویژن پر روزانہ آتی ہیں۔ ایک تو استخارہ ہے اور ایک طریقۂ علاج ہے حجامہ تھراپی کہ جی یہ سنت ہے۔ حجامہ تھراپی کیا ہے؟ وہ چھوٹے چھوٹے کٹ لگا کر اوپر کٹوری یا گلاس سا رکھتے ہیں۔ اس میں تھوڑی آگ جلائی تو اس میں آکسیجن جل گئی تو وہ چمٹ جاتا ہے تو پھر وہ خون جذب کر لیتی ہے۔ یہ قدیم طریقۂ علاج تھا ایک سینے میں تکلیف ہو جاتی تھی۔ اُسے اصطلاح طب میں ذات الجنب کہتے ہیں۔ بخار ہوتا تھا اور اس کے ساتھ سینے میں درد ہو جاتا تھا۔ وہ اتنا تکلیف دہ مرض ہوتا تھا کہ لوگ اس سے مر جاتے تھے۔ اس کا علاج یہ تھا کہ اس زمانے کے طبیب سینے کے پیچھے پچھنے لگواتے تھے۔ ان کے پاس اُسترے ہوتے تھے اس سے وہ چھوٹے چھوٹے کٹ (Cut) لگا دیتے اس پر کوئی گلاس جس میں کوئی کاغذ وغیرہ جلا کر اس میں آکسیجن کو ختم کر دیتے اس کو اس جگہ پر چمٹا دیتے تو اس طرح چمٹانے سے کچھ خون ان کٹ (Cuts) سے نکل آتا وہ پٹھوں کو کھینچتا تھا جب وہ ٹھنڈا ہو جاتا تو اُسے اتار لیتے۔ ایسا وہ تین چار جگہ لگاتے تھے اور ایسا کرنے سے وہ ذات الجنب ٹھیک ہو جاتا درد ٹھیک ہو جاتا تھا اور یہ ایک طریقۂ علاج ہے اور یہ پچھنے لگوانے کا علاج نبی کریم ﷺ نے بھی کروایا۔ ہمارے بچپن جوانی میں بھی یہ طریقۂ علاج تھا ہم نے بھی لوگوں کو پچھنے لگواتے دیکھا لیکن جب ہم نے دیکھا تو اطباء تجویز کرتے اور کام سارا نائی کرتے تھے تو جو گاؤں کا حجام ہوتا تھا۔ انہیں بھی اس کام کا تجربہ ہو گیا تھا۔ دو کام نائی کرتے تھے ایک دانت نکالنے کا اور حجامت کے علاوہ پچھنے لگانے کا۔ لیکن یہ سنت نہیں ہے۔ ایک اصول ہے کہ امرِ اضطراری سنت نہیں ہوتا۔ امرِ اضطراری اُسے کہتے ہیں جو مجبوراً کیا جائے۔ جب بیماری آئے اس کا علاج کیا جائے یہ مجبوری ہے سنت نہیں ہے جو کام نبی ﷺ اختیاری کرتے ہیں۔ اپنی پسند سے کرتے ہیں وہ سنت ہوتا ہے جو اضطرراً کرتے ہیں وہ سنت نہیں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی جہاد میں کسی نبی علیہ السلام کا ہاتھ کٹ جائے تو کیا یہ سنت بن جائے گی؟ ساری امت ایک ایک ہاتھ کٹوا لے گی؟ یہ عمل اضطراری ہے یہ سنت نہیں بنے گی۔

یہی بات نبی ذات والا صفات تک گئی اور شیعہ کے مناظرے میں شیعہ کے ایک عالم مولوی اسماعیل ہوا کرتے تھے اور بہت وسیع المطالعہ، بہت بڑی لائبریری کے مالک، بہت بڑے حاضر جواب تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل ان شیعوں کے پاس ان کے متقدمین کی مثال ہے۔ تو برصغیر میں شیعوں کے پاس اس کے پائے کا عالم نہیں تھا اور یہ بہت عجیب بات ہے کہ اس کے بہت سے علماء سے مناظرے ہوئے لیکن علماء اس سے مناظرہ کرنے سے کتراتے تھے۔ اس سے مناظرہ نہیں کرتے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے وہ بھاگا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ میں نے دو جگہ دیکھا وہ بلکسر میں آیا ہوا تھا اور بلکسر کے لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے کہ

مولوی اسماعیل نے تین دن کا پروگرام وہاں رکھا ہے اور بڑی ہی خرافات بول رہا ہے۔ وہ بے باک آدمی تھا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے میں ہم رکاب تھا۔ وہ جو بلانے گئے تھے وہ غریب آدمی تھے۔ مجھے یاد ہے وہ جولا ہے تھے تو انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سادہ سی چار پائی پر کوئی دری، چادر ڈال کر دی اور ہمیں ایک چھوٹا سا کمرہ دیا جس میں نہ کوئی فرش تھا نہ کوئی چادر نہ دری تھی۔ مٹی کا لیپ تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تو وہ کوئی روٹی دال بنا دیتے تھے ہمیں گاؤں کے لوگ کوئی ساگ دال دے دیتا کوئی روٹی کا چھوٹا بڑا ٹکڑا وہی ہماری گزر بسر تھی تو صبح جب مسجد میں گئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیعہ حضرات! میری بات سن لو تمہارے مولوی نے بہت سے سوال تو اٹھائے ہیں میں اُن کا جواب تو دوں گا لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہارا مولوی بھاگ جائے گا۔ اور میں نہ صرف جواب دوں گا بلکہ کچھ سوال بھی کروں گا تو حق بنتا ہے کہ وہ بھاگے نہیں بلکہ جواب دے۔ لیکن وہ بھاگ گیا۔ دوسرا واقعہ یہاں ایک موضع ہے پدھراڑ، یہاں اُسے آنا تھا اور ایک آدمی اللہ اس پر رحم کرے مغفرت فرمائے تو وہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو لے آیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب میری حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو وہ بھی مولوی اسماعیل کا تین دن کا پروگرام تھا۔ ایک دن کا پروگرام تو اُس نے کرلیا۔ دوسرے دن حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ مجھے یاد ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں جو پہلی بات کی تھی وہ یہ تھی کہ شیعہ حضرات سے کہہ دو تمہارے مولوی کے سوالوں کا جواب دوں گا۔ اسی دن اس کی تقریر تھی تو حاجی خدا بخش حکیم ہمارے ساتھی تھے تو وہ تقریر میں گئے کہ جو جو سوال وہ کرے گا وہ میں نوٹ کرلوں گا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمہارے امام باڑے کے قریب جو مسجد ہے وہاں تقریر کروں گا۔ تمہارے مولوی کے سوالوں کا جواب دوں گا لیکن صرف جواب ہی نہیں دوں گا بلکہ کچھ سوال بھی کروں گا تو تمہارے مولوی کا حق ہے کہ وہ سوالوں کا جواب دے لیکن مجھے یقین ہے یہ بھاگ جائے گا۔ شیعہ حضرات ذرا اُس پر قابو رکھیں لیکن وہ بھاگ گیا دوسرے دن، اس نے کہا میرا فلاں کام ہے۔ مجھے فلاں جگہ جانا ہے۔ اس طرح کے بہانے بنا کر لاری چڑھ گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید بھی فرمائی جو سوال کئے تھے وہ ادھار رہ گئے تھے۔ بڑی غضب کی بڑی علمی اور بڑی معرکۃ الآرا تقریریں ہوئیں تو اس نے ایک مناظرے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ دلیل پیش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جب احد میں دانت شہید ہوئے تو اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تو اپنے دانت توڑ لئے تھے تو اگر ہم غم حسین رضی اللہ عنہ میں ماتم کرتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ جھوٹی کہانی ہے کسی نے گھڑلی ہے۔ کسی مستند کتاب میں کسی مستند دلیل سے پیش کرو۔ اگر حکایت میں ہے تو حکایت تو دلیل نہیں بنا سکتے اور یہ فعل اضطراری ہے۔ جنگ میں ایک پتھر رخ انور صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر لگا اور ایک دانت شہید ہوگیا لیکن یہ فعل اضطراری ہے اور فعل اضطراری سنت نہیں ہوتا اور یہ سنت ہوتا تو سب سے پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے دانتوں کو شہید کرتے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے دانت توڑ لیے تھے تو پھر اس کی دلیل پیش کرو کسی مستند کتاب میں سے کسی مستند روایت سے پیش کرو۔ حکایات دلیل نہیں اس میں تو کیا کیا حکایتیں لکھی ہوئی ہیں اس لئے وہ تو دلیل نہیں بنتی ہے وہ پیش نہیں کرسکا۔

مجھے ایک دفعہ تبرکات دیکھنے کا ایک جگہ اتفاق ہوا۔ اس میں کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک سے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام سے تھے کچھ حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے نام سے تھے اور ان میں دانت بھی رکھے ہوئے تھے اور داڑھیں بھی جڑوں سمیت تھیں یعنی روایات یہ ہے کہ انہوں نے پتھر سے توڑے تو پتھر سے جڑوں سمیت کیسے ہوسکتے ہیں اور دانت تو پتھر سے توڑا بھی جاسکتا ہے داڑھ کہاں سے ٹوٹے گی، پھر پتھر سے ٹوٹے گی تو جڑ کہاں سے آئے گی تو پتا نہیں کس کی داڑھیں تھیں کسی ہسپتال سے اٹھالیں یا کہاں سے لیں پھر اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے رکھ دیں تو اس طرح حکایات ہیں اور وہاں وہ سارے جتنے تبرکات پڑے تھے ان میں ایک جگہ چھوٹا سا موئے مبارک کا ٹکڑا ایک موم بتی نما چیز پر لگا ہوا تھا وہ اصلی تھا اس پر

نبی کریم ﷺ کے انوارات تھے باقی سارے فرضی تھے مختلف ناموں سے سجے ہوئے تھے۔

یہ بات حجامہ کی ہو رہی تھی تو یہ فعل اضطراری ہے یہ سنت نہیں ہے ایک بات تو یہ ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ علاج ذات الجنب کا تھا اور کسی مرض کا علاج نہیں تھا۔ اب یہ پیشہ بن گیا ہے اس کا اشتہار ٹی وی پر بھی آتا ہے اور عورتوں نے بھی بنالیا ہے اور ہر کوئی کہتا ہے کہ جی حجامہ سنت ہے۔ مجھے اگلے دنوں ایک خاتون ساتھی کی ای میل آئی کہ میری بیٹی کی عمر بائیس سال ہے اس کے پیٹ میں درد تھا تو میں اس کا حجامہ بھی کرایا تو اب وہ حجامہ والی کہتی ہے کہ یہ ٹھیک ہے اب پیٹ کا درد حجامہ سے کیسے ٹھیک ہوگا؟ علاج ذات الجنب کا ہے۔ درد پیٹ میں ہے تو اب وہ کہتی ہے کہ جی اس پر جادو ہے۔ جادو کا علاج ہونا چاہئے وہ کرتے یہی ہیں اور یہ ہر مرض کا تو علاج نہیں ہے۔ اب تو کسی کو ملیریا یا اس طرح کا کوئی بخار ہوتا ہے تو لوگ فوراً ہسپتال جاتے ہیں۔ ذات الجنب کا تو اب بڑا عرصہ ہوگیا سنا نہیں کہ کسی کو ہوا ہو۔ اب تو جلدی علاج ہوجاتا ہے گولیاں ٹیکے کر لیتے ہیں۔ ہو بھی تو ہسپتال سے علاج کراتے ہیں تو ذات الجنب ایک قسم کے ملیریا میں سینے میں پسلیوں میں ایک طرف درد ہوتا ہے۔ غالباً دائیں طرف ہوتا ہے۔ مجھے صحیح یاد نہیں ہے لیکن وہ بڑا سخت ہوتا ہے۔ یزید کی موت ذات الجنب سے ہوئی تھی۔ یہ بڑی شدید بیماری ہے تو اس کا قدیم سے علاج آرہا تھا اور پاکستان بننے کے بعد تک، ہماری جوانی تک ہم دیکھتے تھے لوگ پچھنے لگواتے تھے کہ فلاں کو درد تھا اس نے پچھنے لگوائے تو یہ علاج سنت نہیں تھا فعل اضطراری تھا۔ ایک مجبوری میں کرانا ہوتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ جی حضور ﷺ نے کرایا تھا تو یاد رہے ذات الجنب کے لئے کرایا تھا ہر مرض کے لئے تو نہیں کرایا اب اگر ہم اسے سنت ہی مانیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ فعل اضطراری سنت نہیں ہوتا جو کام اللہ کے رسول ﷺ نے مجبوراً کیا وہ سنت نہیں ہوتا۔ اب یہ سنت کیوں نہیں ہے کہ سارے تلواریں باندھ کر بدر میں جائیں یہ کیوں سنت نہیں ہے کہ ہر شہر خندق کھودلے کیا نبی کریم ﷺ نے کھدوائی نہیں تھی، یہ کیوں سنت نہیں ہے کہ سارے میدان جنگ میں تلواریں لے جائیں، اب کیوں بندوقوں اور ایٹم بموں، توپوں سے لڑتے ہو تلواروں سے لڑو۔ فعل اضطراری سنت نہیں ہوتا جو کام مجبوری میں کئے جاتے ہیں وہ سنت نہیں ہوتے۔ فعل اختیاری جو کام نبی ﷺ پسند سے کرتے ہیں وہ سنت ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ ہے کہ حجامہ سنت نہیں، دوسری بات کہ یہ صرف ذات الجنب کا علاج ہے جو ملیریا کی ایک قسم ہے جس میں سینے میں سخت درد اٹھتا ہے۔ اور اس کا علاج نہ ہو تو بندہ ایک آدھ دن میں مرجاتا ہے۔ حجامہ کو سنت سمجھ کر اسے ہر مرض کے لئے کرنا اور بچے بچیوں کو لے کر دوڑ پڑنا صحیح نہیں ہے۔ اگلے دن سلسلے کی ایک ساتھی خاتون اپنا بیٹا ساتھ لائی وہ بے چارہ پاگل سا ہو رہا تھا اور وہ پاگل اس لئے ہو رہا تھا کہ اب ہر چیز جو نیٹ (Net) پر آگئی ہے ناں تو اس نے کہیں نیٹ کھولا اس پر کوئی جادو کا منتر لکھا ہوا تھا کہ یہ پڑھو تو وہ مؤکل قابو آجاتا ہے وہ اس نے چلاّ کاٹا وہ پاگل ہوگیا۔ چلو کچھ تو ہونا تھا۔ اب اس کے سر پر پیچھے کی طرف استرا پھرا ہوا تھا اور اس پر زخم تھے تو میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عورت نے بتایا کہ اس کا حجامہ کرایا ہے۔ میں نے کہا اس کا علاج حجامہ کرانا تھا یا اس بے وقوف کو روکنا تھا کہ انٹرنیٹ والے وظیفے نہ کرے اور یہ جادوگر بننے کی کوشش نہ کرے اور اب کی ہے تو اس کا علاج کوئی اللہ اللہ کراؤ کوئی نقش پلاؤ کوئی دم کراؤ اللہ کرے ٹھیک ہوجائے تو حجامہ سے جادو اور اس کے پاگل پن کا علاج کہاں سے ہوگا؟ اسی طرح بچی کے پیٹ میں درد تھا حجامہ کرایا۔ یہ کوئی سنت نہیں ہے۔ لوگ فراڈ کرتے ہیں۔ یہ کوئی علاج نہیں ہے۔ پچھنے لگوانا ذات الجنب کا علاج ہے اور طب میں آج بھی ہے تو یہ لوگوں نے پیشہ بنالیا ہے خصوصاً عورتوں نے بنالیا ہے کہ فلاں بی بی حجامہ کرتی ہے۔ زیادہ عورتوں کو ہی پھنساتی ہیں۔ تو عورتوں کو، بچوں کو، بچیوں کو یہاں سر پر بال کاٹ کر زخم لگائے ہوئے ہیں، پیٹ پر زخم لگائے ہوئے ہیں۔ بھئی پیٹ میں درد ہے تو پچھنے لگوانے سے پیٹ کا درد کیسے ٹھیک ہوگا؟ وہ تو ایسا ہوتا تھا کہ جب خون میں خرابی ہوتی تھی تو وہ گندہ خون نکالنے کے لئے ڈولیاں لگاتے تھے تو وہ اس

میں نکل کر گندہ خون سیاہ رنگ کا آجاتا تھا تو طبیب امراض میں وہ فصد کھولتے تھے پچھنا لگا کر ٹخنے یا گھٹنے کے پاس سے تھوڑا سا خون نکال دیتے تھے اس سے مرض کو افاقہ ہو جاتا تھا تو وہ ایک علاج ہے وہ طبیب یا حکیم کے کہنے پر کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی ادارہ نہیں ہے کہ دارالحجامہ بن جائیں اور ہر بندے کو پچھنے لگواتے رہیں۔ یہ آپ غلط کرتے ہیں اور یہ کوئی طریقہ علاج نہیں ہے ہاں ذات الجنب کا علاج ہے لیکن وہ بھی کوئی حکیم تجویز کرے تو اس میں کسی پیر صاحب کی بھی ضرورت نہیں ہے اور یہ بہت شدید مرض ہوتا تھا اور بندے کو مجبور کر دیتا تھا اور بندے کو یہ علاج کرنا پڑتا تھا اور جو کام مجبوری میں کئے جاتے ہیں وہ سنت نہیں ہوتے۔

اسی طرح کا ایک تماشا اور بھی ہے یہ سوال میں تو نہیں ہے لیکن بات چل نکلی ہے تو میں عرض کر دوں کہ ٹیلی ویژن پر گھنٹے گھنٹے کا پروگرام آتا ہے پھر اُسے دُہرایا بھی جاتا ہے ایک بندہ کاغذ قلم لے کر بیٹھا ہوتا ہے ساتھ ایک خاتون بیٹھی ہوتی ہے اب تو یہ رواج ہو گیا ہے ناں کہ کسی نے نعت بھی پڑھنی ہے تو دو فرشتے عورتوں کی شکل میں ساتھ ہوں گے۔ ٹی وی پر تو عورت کے بغیر کوئی پروگرام چل ہی نہیں سکتا۔ ہمارا پروگرام المرشد چل رہا ہے بغیر عورتوں کے دیکھیں کتنے دن چلتا ہے۔ اسے بھی روک نہ دیں کہ اس میں بی بی تو ہے کوئی نہیں، تو کیسے چل رہا ہے؟ تو اس کے ساتھ ایک بی بی بیٹھی ہوتی ہے جو کالیں (Calls) وصول کر رہی ہوتی ہے اور اُسے بتا رہی ہوتی ہے وہ سن کر کاغذ قلم لے کر بیٹھا ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ میرے بیٹے کو نوکری نہیں ملتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اس کا نام بتاؤ اس کی ماں کا نام بتاؤ؟ وہ لکھ لیتا ہے اور اُس نے کیا لکھنا ہے؟ اس موضوع پہ کتابیں اتنی اتنی بڑی ملتی ہیں کچھ یہاں لائبریری میں بھی پڑی ہوں گی۔ اور اس میں وہ سارے لکھے ہوتے ہیں کہ بندہ یہ جملہ بولے تو اُس کی تکلیف اس قسم کی ہوگی۔ اب یہ، یہ جملے بولے گا یہ پورا لکھا ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی مداری کا تماشہ دیکھا ہوگا کہ وہ ایک لڑکے کو بٹھا دیتا ہے اوپر چادر ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے ہم کون؟ عامل، تم کون؟ معمول، وہ اس پر تعویز سا رکھ دیتا ہے پھر وہ جو لوگ تماشہ دیکھنے کھڑے ہوتے ہیں ان میں پھرتا ہے اور پوچھتا ہے یہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے گھڑی ہے۔ تو وہ پوری ایک کتاب بنی ہوئی ہے۔ مثلاً جب اس نے اس سے گھڑی پوچھنی ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہم کون؟ عامل تم کون؟ معمول۔ اچھا گھوم جا، گھوم گیا، اُس نے گھوم سے ''گھ'' لے لی، پھر وہ جملہ بولے گا رک جا! وہ رک گیا وہاں سے اس نے ''ر'' لے لی پھر وہ کسی کی گھڑی پہ ہاتھ رکھ کر کہے گا یہ کیا ہے؟ اب بندہ حیران ہو جاتا ہے کہ اس کے منہ پر تو کپڑا ہے آنکھیں بند ہیں یہ یہاں پوچھ رہا ہے تو اُس نے بتا دیا۔ تو یہ پوری ایک کتاب ہے۔ اس میں وہ پورے مخصوص (Typical) جملے لکھے ہوئے ہیں اور ایک فن ہے۔ جیسے میں نے آپ کو بتایا ہے مجھے زیادہ یاد نہیں ہے لیکن میں نے سب چیزوں کا مطالعہ کیا ہے۔ تو وہ کتاب بھی شائد لائبریری میں پڑی ہو، مدت ہوئی کہیں جوانی میں پڑھی تھی اب مجھے یاد نہیں کہیں لائبریری میں پڑی ہے یا ضائع ہو گئی کیونکہ یہ لائبریری تو کہیں 1980ء میں بنی اس سے پہلے کتابیں گھر والی لائبریری میں پڑی رہیں۔ کچھ رہیں نہ رہیں کوئی لوگ پڑھنے کے لئے لے جاتے، تو اس میں وہ پورا دیا ہوا تھا۔ آپ نے دیکھا ہوگا وہ پورے، جملے کہتا ہے گھوم جا، رک جا، لیٹ جا، اُدھر چل، اسی طرح وہ جو جو چیزیں پوچھتا ہے وہ پہلے اُسے (Convey) پیغام دیتا ہے اور وہ جوڑ کر بنا لیتا ہے۔ تو استخارہ پروگرام والے اس طرح کے تماشے کرتے ہیں۔ وہ جو استخارے والا ٹیلی ویژن پر بیٹھا ہوتا ہے بندہ جب سوال کرتا ہے تو اس نے وہ پوری کتاب رٹ رکھی ہوتی ہے کہ یہ سوال آئے تو اس بندے کو یہ تکلیف ہوگی، اس کے پیچھے یہ باتیں ہوں گی وہ، وہ دہرانا شروع کر دیتا ہے ہاں آپ کو یہ بھی ہے وہ بھی ہے تو بندہ کہتا ہے کہ بڑی بات ہے اس نے سب بتا دیا۔ یہ سب فراڈ ہے۔

استخارے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آپ نے کوئی کام کرنا ہے اس کام کرنے کے دو طریقے ہیں اور دونوں شرعاً جائز ہیں آپ پریشان ہیں کہ ایک طریقہ اختیار کروں یا دوسرا طریقہ اختیار کروں اس کے لئے حکم ہے کہ بعد از عشاء رات کو نفل پڑھ کر باوضو سو جائیں کچھ

دعائیں بھی پڑھ کر سوئیں تو اللہ کریم خواب میں آپ کی راہنمائی فرمادیں گے لیکن ضروری نہیں کہ اُسی رات ہو جائے اس رات نہیں ہوئی تو دوسری رات پھر اس طرح کرے ہفتہ بھر تو کرتے رہیں اور اگر نہ ہو تو جو بہتر سمجھتے ہیں وہ تو کریں۔ اب یہ ٹی وی والا استخارہ اس کا پی پنسل میں کہاں سے آ گیا۔ آپ نے بات کی، بات آپ کی ہے جواب وہ دے رہا ہے۔ وہ کہتا کہ جی مجھے نوکری نہیں ملتی تو وہ کہتا ہے کہ جی تمہارا تو رزق بندھا ہوا ہے۔ بھئی! کہاں سے بندھا ہوا ہے؟ تو لوگ خود سے چیزیں گھڑ لیتے ہیں۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جملہ کہا چونکہ آپ کے شعر بہت معروف ہیں تو ایک جملہ کہا تھا۔

یعنی عاشقوں کا رزق جو ہے وہ ہرن کے سینگ کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہرن تو ٹِک کر جنگل میں رُکتا نہیں بھاگتا دوڑتا رہتا ہے تو اُس کی مراد یہ تھی کہ عاشق بھی اللہ کی زمین میں سرگرداں رہتے ہیں صبح کہیں اور سے ملا شام کہیں اور سے ملا جیسے وہ ہرن کے سینگ سے بندھا ہوا ہے۔ اب یار لوگوں نے ٹکر کہار میں ایک مزار بنا کر اس پر مقبرہ بھی بنا دیا اور اُس کا نام رکھ دیا تختی "آہو باہو"۔ بھئی یہ کیا ہے؟ جی یہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ یہاں بیٹھتے تھے تو ایک ہرن سینگ کے ساتھ روٹی باندھ کر لے آتا۔ کہاں کی بات کہاں جا پہنچی۔ بھئی کون روٹی پکاتا تھا اور کون باندھتا تھا؟ ہرن کے سینگ کے ساتھ باندھنا آسان ہے۔ میرے پاس پالتو ہرن ہے ذرا اس کا سینگ پکڑ کر دکھاؤ وہ ہاتھ نہیں رکھنے دیتے تو جنگلی ہرن کے سینگ کے ساتھ کون روٹی باندھنے جاتا تھا، کون اتنی تگڑی خاتون تھی جو سالن پلیٹ میں ڈال کر اوپر روٹیاں لپیٹ کر اور رومال لپیٹ کر پھر سینگ سے باندھتی؟ یار! کچھ اللہ کا خوف کرو کہانیاں جوڑ کر کیا بنا لیتے ہو۔ پھر خط آئے گا جی میں نے بیٹی کی شادی کی استخارہ بھی کروایا تھا لیکن وہ لوگ اچھے نہیں نکلے۔ شادی کے لئے استخارہ کہاں سے آ گیا؟ مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے ان کا خاندان دیکھو ان کا دین دیکھو، جس بچے کا رشتہ دے رہے ہو اسکا دین دیکھو، عقیدہ دیکھو پھر اس کی دنیا بھی دیکھو کہ کیا وہ اتنا کما رہا ہے کہ اپنا اور بیوی کا بوجھ اٹھائے گا اور اُن کے خاندان کو دیکھو کہ تمہاری طرح کے شریف لوگ ہیں یا بدنام ہیں یا کیا پیشہ ہے ان کا، کیا کام کرتے ہیں کہاں سے کماتے ہیں؟ یہ ساری چیزیں دیکھ کر فیصلہ کرو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ یہ تحقیقات کرو تو ضرور رشتہ کرو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ اب ایک بندہ لاہور ٹی وی پر بیٹھا ہے آپ نے یہاں سے فون کر دیا۔ اس نے فیصلہ کر دیا کہ رشتہ دے دو۔ بھئی یہ کیا ہے؟ کچھ خدا کا خوف کرو اور میں نے ایک ٹی وی والے سے سوال کیا کہ استخارے کا پروگرام تم لوگ "المرشد" پروگرام کے آگے لگا دیتے ہو پھر ہمارا پروگرام اس کے بعد لگاتے ہو تو یہ کیا فضول سا کام ہے تو وہ کہنے لگا جی ہمیں اس کے فضول ہونے سے غرض نہیں یہ بندہ ہفتے میں ایک گھنٹہ ٹائم لیتا ہے ایک دن یعنی چار گھنٹے مہینے میں ٹائم لیتا ہے ٹی وی کا اور بارہ لاکھ روپے ادا کرتا ہے۔ یہ جو پنسل کاغذ لے کر بیٹھتا ہے یہ ان لوگوں کے جو فون کرتے ہیں ان کے نمبر نوٹ کر لیتا ہے چونکہ وہ سارے تو یہاں آ جاتے ہیں تو یہ گھر جا کر انہیں فون کر کے بلا لیتا ہے اور ان سے تین، تین، چار پانچ لاکھ فیس لیتا ہے تو یہ ٹی وی والوں کو مہینے کے بارہ لاکھ دیتا ہے۔ یار! کوئی اللہ پر بھروسہ کرو، اس نظام کو لوگ نہیں چلا رہے، اللہ کریم خود چلا رہے ہیں بغیر فیس دیئے۔ اللہ سے دعا کر لو کہ یا اللہ یہ مشکل ہے میری اس سے نجات فرما۔ زیادہ اچھی کرنا چاہتے ہو تو کسی مسجد میں جا کر دعا کروا لو اور زیادہ کرنا چاہتے ہو تو کوئی نفل ادا کر کے کوئی منزل پڑھ کر کوئی درود شریف پڑھ کر کر لو اور اللہ سے دعا کرو نظام کو اللہ چلا رہا ہے تو ان لوگوں نے یہ پیشہ بنا لیا ہے اور لوگوں کو یہ بے وقوف بناتے ہیں۔ نہ حجامہ علاج ہے نہ حجامہ سنت ہے نہ یہ استخارہ سنت ہے یہ سارے فراڈ ہیں اور اللہ ان سے بچائے۔ ان سے پیسہ تو جاتا ہی جاتا ہے ان سے ایمان بھی خراب ہوتا ہے۔ پیسے تو یہ لیتے ہی ہیں ساتھ عقیدہ خراب کرتے ہیں، ایمان کا نقصان ہوتا ہے ان لوگوں سے بچو، اللہ پر بھروسہ کرنا سیکھو۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

حیات جاوداں حصہ اول سے اقتباس

فریضۂ حج

تالیف: ابوالاحمدین

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال 16 جمادی الاول 1404 ہجری میں ہوا۔ ان کی یاد میں ان کی سوانح "حیات جاوداں" سے ایک باب پیش کیا جارہا ہے

ایک سالک کے لئے ان گھڑیوں سے عزیز تر کوئی لمحہ نہیں جب اسے دربارِ نبوی ﷺ میں روحانی طور پر حاضری نصیب ہو۔ اگر اس حاضری کے دوران نگاہِ مصطفوی ﷺ بھی نصیب ہوجائے خواہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ تو وہ لمحہ زندگی کا ماحصل قرار پاتا ہے۔

من سی پارۂ دل می فروشم، بگفتا قیمتش
گفتم نگاہے، بگفتا کم ترش، گفتم کہ گاہے

(میں دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں، پوچھا قیمت؟ کہا ایک نظر۔ اس نے پوچھا کیا کچھ کمی ہوسکتی ہے؟ کہا (زندگی میں) کبھی ایک نظر)

حضرت جیؒ ایک عرصہ سے حرمین شریفین کی حاضری کے لئے بے قرار تھے لیکن اسباب ظاہری ساتھ نہ دے رہے تھے۔ جولائی 1970ء میں سلسلۂ عالیہ کے سالانہ اجتماع کا ایک تاریخی دن تھا۔ مراقبۂ فنافی الرسول ﷺ کی ایسی ہی ایک مبارک گھڑی میں حضرت جیؒ کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں حالِ دل پیش کرنے کا حوصلہ عطا ہوا تو عرض کیا:

"بحری راستے سے حاضری مشکل ہے، کئی بار درخواستیں دیں مگر قرعہ اندازی میں نام نہیں آیا....."

نبی کریم ﷺ کی طرف سے جواب ملا:

"اس دفعہ ضرور آؤ خواہ کوئی راستہ اختیار کرنا پڑے۔"

حج، صاحبِ استعداد پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن یہ حاضری کچھ ہستیوں کے لئے ادائیگی فرض کا درجہ رکھتی ہے خواہ وہ شرعی طور پر حج کے مکلف نہ بھی ہوں۔ اہل اللہ کے حالات میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں کہ عدمِ اسباب کے باوجود انہوں نے پاپیادہ حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا۔ تقاضائے عشق اپنی جگہ لیکن بعض اوقات مقامات و مناصب کے لحاظ سے بھی یہ حاضری لازم قرار پاتی ہے۔ حضرت جیؒ نے 3 مارچ 1969ء کے ایک مکتوب میں حج پر جانے کی ایک وجہ یہ بھی تحریر فرمائی کہ غوث، قطب، ابدال وغیرہ تمام مناصب میرے حج پر جانے اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضری سے ہمارے سلسلہ میں منتقل ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے گھر اور درِ اقدس پر حاضری حضرت جیؒ کی دیرینہ آرزو تھی لیکن اس کے لئے جب دربارِ نبوی ﷺ سے پروانہ مل گیا تو آپؒ نے فرمایا:

"پاسپورٹ بناؤ اور قرعہ اندازی کا خیال چھوڑ دو۔
اب تو بلاوا آگیا ہے، اس لئے جانا ضروری ہے۔"

نیوی کے ایک افسر نے سمندری راستے سے سفر کے انتظام کا ذمہ لیا لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو فیصلہ ہوا کہ سفر ہوائی جہاز سے ہوگا۔ حضرت جیؒ کے ہمراہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے آٹھ احباب تیار ہو گئے لیکن بغیر کسی تیاری اور انتظامات کے۔ ویزہ حاصل کرنے کے لئے صرف چند روز رہ گئے تھے لیکن ابھی تک پاسپورٹ بنانے کا مرحلہ باقی تھا۔ لاہور آفس کے ڈائریکٹر پاسپورٹ کا تعلق چونکہ مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) سے تھا، میجر زین العابدین نے ان سے رابطہ کیا لیکن حتی الامکان کوشش کے باوجود ناکام رہے۔ قرعہ اندازی میں نام نہ نکلنا، بحری جہاز سے سفر کا انتظام کرنے میں نیول افسر کی ناکامی اور بنگالی

ڈائریکٹر پاسپورٹ کا تعاون حاصل کرنے میں ایک بنگالی افسر کی بے بسی، اس سے یہ واضح تھا کہ حضرت جیؒ کا یہ سفرِ حج ظاہری واسطوں سے ماوراء تھا۔

پاسپورٹ بنانے کی ذمہ داری اب میجر غوث کے سپرد ہوئی لیکن ضابطے کی کاروائیوں کا وقت تھا نہ احباب کو لاہور بلایا جا سکتا تھا۔ غوث نے ان کے کوائف حاصل کئے اور تمام فارم مکمل کرنے کے بعد خود ہی دستخط کر دیئے۔

ڈائریکٹر پاسپورٹ ایک محکمانہ انکوائری کی وجہ سے خاصا پریشان تھا۔ غوث کو فوجی وردی میں دیکھا تو مزید پریشان ہوا کہ شاید اب فوجی انکوائری بھی شروع ہونے والی ہے۔ غوث کے ہمراہ اتفاقاً ملٹری پولیس کے ایک افسر بھی تھے جن سے لفٹ لے کر وہ یہاں پہنچے تھے۔ ان کی غیر معمولی سج دھج نے اس کی پریشانی کے لئے جلتی پر تیل کا کام کیا لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ صاحبان تو حصولِ پاسپورٹ کے سلسلہ میں آئے ہیں تو جان میں جان آئی۔ اسی خوشی میں اس نے تمام فارم خود مکمل کرائے۔ پولیس، محکمہ مال اور ٹکٹوں کے متعلق پی آئی اے کی تصدیق کی بجائے غوث کے سرٹیفکیٹوں اور اس کی مہر سے کام بن گیا اور اس طرح ایک ہی نشست میں پاسپورٹوں کے اجراء کا مرحلہ تمام ہوا۔ آخر کیوں نہ ہوتا، در مصطفیٰ ﷺ سے بلاوے کے بعد محکمانہ پابندیاں اور ضابطے کی کاروائیاں رکاوٹ کیسے بن سکتی تھیں!

حضرت جیؒ نے روانگی سے قبل لین دین کے تمام معاملات نمٹائے۔ 1969ء میں جن عزیزوں سے قرض لے کر مائننگ کے کاروبار میں حصہ ڈالا تھا، ان کی رقوم وقت سے پہلے لوٹا دیں۔ حضرت جیؒ معاملات کے بارے میں انتہائی محتاط تھے۔ ساتھیوں کو اکثر ہدایت فرمایا کرتے کہ معاملات کا خاص خیال رکھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت برزخ میں مبتلائے عذاب نظر آتی ہے۔

ناظمِ اعلیٰ

طے شدہ پروگرام کے مطابق 18 دسمبر 1970ء کو حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ ٹرین پر سوار ہوئے۔ یہ سفر عوامی ایکسپریس میں تھا۔ گاڑی ابھی لاہور ریلوے سٹیشن پر ہی تھی کہ آپؒ نے فرمایا:

''مشائخ کی طرف سے حکم ہے کہ حافظ عبدالرزاق کو سلسلۂ عالیہ کا ناظمِ اعلیٰ مقرر کر دیا جائے اور آئندہ تمام خط و کتابت ان کے ساتھ کی جائے۔''

سلسلۂ عالیہ کی تنظیم کی طرف یہ پہلا قدم تھا جو مشائخ کے حکم سے اٹھایا گیا۔ اس طرح حافظ صاحبؒ کو، جو 1941ء میں جماعت اسلامی راولپنڈی ڈویژن کے قیم مقرر ہوئے تھے، سلسلۂ عالیہ میں اس مقام تک پہنچنے کے لئے مزید تیس سال کی مسافت طے کرنا پڑی۔

میز نہیں چھوڑتا

کراچی میں حضرت جیؒ کا قیام خاصا طویل رہا کیونکہ 24 جنوری 1971ء سے قبل ذہران کے لئے نشست نہ مل سکی۔ اس دوران مفتی غلام صمدانی جو حضرت جیؒ کے ہمراہ عازمِ سفر تھے، ایک سوال پوچھ بیٹھے:

''حضرت! شیخ فیض کس طرح روک لیتا ہے۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا، یہ آپ کے سامنے کیا ہے؟

مفتی صاحب نے عرض کیا، حضرت میز ہے۔

آپؒ نے فرمایا:

''مفتی صاحب! اس میز کو پکڑ لیں۔''

تقریباً ایک سال بعد مفتی غلام صمدانی منارہ کے سالانہ اجتماع میں حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں ہمت پائی تو عرض کیا:

''حضرت! یہ میز نہیں چھوڑتا، اس میز سے تو جان چھڑائیں۔''

حضرت جیؒ یہ سن کر بہت افسردہ ہوئے اور فرمایا:

''اس کا مطلب ہے آپ کا ایک سال کا نقصان ہو گیا۔ یہ نقصان اس لئے ہوا کہ آپ نے سوال پوچھا تھا۔''

حضرت جیؒ نے توجہ فرمائی تو مفتی صاحب کی میز سے جان چھوٹی، ترسیلِ فیض کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا اور آپؒ نے ایک ہی صحبت میں

انہیں کئی مقامات کرا دیے جنہیں طے کرنے میں ایک عرصہ لگانا پڑتا۔

24، 25 جنوری 1971ء کو رات سوا بارہ بجے پی آئی اے کی فلائٹ سے دہران روانہ ہوئے اور قریباً تین بجے دہران پہنچے۔ کسٹم کی کارروائی مکمل ہوئی تو نوافل تہجد کی ادائیگی کے بعد احرام باندھا۔ یہاں سے سعودی ایئرلائنز کی فلائٹ سے صبح سات بجے جدہ کے لئے روانگی ہوئی۔ یہ فلائٹ کچھ دیر الریاض ایئرپورٹ پر رکنے کے بعد قریباً 10 بجے جدہ پہنچی۔ یہاں پاسپورٹوں کا اندراج ہوا جس کے بعد بذریعہ منی بس روانگی ہوئی اور یہ قافلہ قریباً ظہر کے وقت مکۂ مکرمہ پہنچا۔ معلّم کے ڈیرے پر انتظامی امور سے فارغ ہوئے تو ابھی عصر کی اذان میں کچھ وقت باقی تھا۔ 25 جنوری 1971ء عصر کے قریب تلبیہ پڑھتے ہوئے حرم شریف میں داخل ہوئے۔

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ۔ لَبَّیْكَ

جواباً آواز آئی:

مَرْحَبًا، اَھْلًا وَّسَھْلًا

ساتھیوں میں چند ایسے خوش نصیب بھی تھے جنہیں خوش آمدید کے یہ الفاظ سنائی دیے۔ طواف اور سعی کی تکمیل کے بعد مقام زمزم پر پہنچے تو نمازِ عصر کے لئے صفیں بننے لگیں اور اس طرح بیت اللہ میں پہلی نماز کے لئے بابِ کعبہ کے سامنے جگہ مل گئی۔ نماز کے بعد معلّم کے ڈیرے پر واپسی ہوئی۔

مسلسل بے خوابی، سفر کی تکان اور دن بھر کے معمولات کی وجہ سے حضرت جیؒ کو بخار کی شکایت ہو گئی تھی۔ پہلی رات معلّم کے ڈیرے پر ہی گزری لیکن یہاں کرائے کا مطالبہ چونکہ بہت زیادہ تھا، اگلے روز متبادل مکان کی تلاش شروع ہوئی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد عطائے الٰہی کی صورت میں ایک مکان انتہائی مناسب کرایہ پر شاہراہِ ابوبکر صدیقؓ کی ایک گلی میں مل گیا جس کی ایک دیوار مسجدِ ابوبکر صدیقؓ سے متصل تھی۔

پہلے ہی روز حرم شریف میں نماز اور ذکر و اذکار کے لئے مستقل جگہ متعین کر لی گئی۔ اگلے روز مغرب کے بعد مجلس ذکر ہوئی تو مراقبۂ مسجد نبوی ﷺ کے دوران حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کے لئے اس جگہ کا تعین اور قیام کے لئے مکان کا انتخاب اتفاقاً نہیں ہوا بلکہ سنت کی پیروی کرانا مقصود تھی۔ نماز کی جگہ وہ، جہاں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ پہلی مرتبہ آ کر اترے تھے اور مکان سے سنت صدیقی کی پیروی کرانا تھی کہ وہ اسی راستے حرم میں آتے۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان سے تمہارا قلبی تعلق اور پختہ ہو۔

ایک روز حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ حرم شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؒ نے فرمایا:

''مطاف میں بے شمار انبیاء علیہم السلام کے انوار نظر آتے ہیں، غالباً نناوے انبیاء علیہم السلام یہاں مدفون ہیں جو بیت العتیق کی تعمیر اور چاہِ زمزم کے جاری ہونے سے پہلے تشریف لائے اور یہیں وصال ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کی قوموں پر عذاب الٰہی نازل ہوا، نزولِ عذاب سے قبل وہ یہاں چلے آئے، یہیں قیام فرمایا اور یہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔''

حضرت جیؒ جب مختلف انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر رہے تھے تو ایک ساتھی قرآنِ حکیم کی وہ آیات پڑھنے لگے جن میں انبیاء علیہم السلام کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ اس موقع پر اہل بصیرت حضرات نے عجب نظارہ دیکھا کہ ان آیاتِ کریمہ میں جس نبی کا نام آتا، ان کے مدفن سے انوارات کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا اور اس طرح ان کی جائے تدفین کی نشاندہی ہوتی گئی۔ رکن یمانی سے حجر اسود کی سمت کوئی تین گز کے فاصلے پر حضرت داؤدؑ کا مدفن ہے۔ حطیم میں سیّدنا حضرت اسمٰعیلؑ اور سیّدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام مدفون ہیں۔ بعض انبیاء علیہم السلام سے کلام کا شرف ملا تو انہوں نے اپنا نام نہ بتایا اور صرف اتنا کہا:

'' اَنَا رَسُوْلُ اللہ ''

اس اِخفاء کی یہ وجہ سمجھ میں آئی کہ ان کے اسمائے گرامی قرآنِ حکیم میں مذکور نہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ان اسمائے گرامی کے علاوہ جن کی خبر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے دی، اسرائیلیات، ہندو ویدانت اور تاریخی روایات کی بنیاد پر مزید ناموں کی اختراع درست نہ ہوگی، چہ جائیکہ قرآنِ حکیم میں مذکور انبیاء علیہم السلام کے ناموں کو اس طرح بگاڑا جائے جس طرح ان کا تذکرہ یہودی اور عیسائی کرتے ہیں، جیسے جوزف، ڈیوڈ وغیرہ۔ استغفر اللہ! نقلِ کفر، کفر نہ باشد۔

ایک روز حضرت جیؒ نے احباب کی توجہ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کی درمیانی جگہ کی طرف مبذول کراتے ہوئے فرمایا:

"رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان کی جگہ کو دیکھو۔ رکنِ یمانی سے تیسرے اور چوتھے مصلے کے درمیان جو سفید جگہ ہے، یہاں حضور اکرم ﷺ تیرہ سال متواتر ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے تھے۔ حضور ﷺ کے انوارات کی بارش ہو رہی ہے۔"

29 جنوری 1971ء یوم جمعہ تھا۔ مسجدِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جا کر احرام باندھا اور واپس آ کر عمرہ کیا جس کے بعد مَولِدُ النَّبی ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ اگلے روز پروگرام بنا کہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کے مقامات دیکھ لئے جائیں تاکہ ادائیگیٔ حج میں سہولت رہے۔ منیٰ میں حضرت جیؒ مسجدِ خیف گئے تو حضرت آدمؑ کے مدفن کی نشاندہی کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا:

"حضرت آدمؑ مسجدِ خیف کے محراب کے پیچھے دفن ہیں۔ قبلہ رو ہو کر دیکھیں تو محرابِ مسجد کے بائیں جانب دیوار سے باہر مدفن ہے۔"

مزید فرمایا:

"پہاڑ سے متصل مسجد کی دیوار کے ساتھ بارہ انبیاء علیہم السلام دفن ہیں جن میں سے پانچ صاحبِ کتاب ہیں۔"

آخری کونے سے آواز آئی:

"انا نوحؑ"

حضرت جیؒ احباب کے ہمراہ وہاں گئے اور طویل مراقبہ کیا۔ حضرت نوحؑ سے شرفِ کلام نصیب ہوا تو اثنائے کلام انہوں نے فرمایا:

"مفسرین نے میری قبر کی نشاندہی جو مختلف مقام پر کی ہے، سب غلط ہے۔"

میدانِ عرفات میں آپؒ نے بتایا کہ جبلِ رحمت پر جہاں مینار بنا ہوا ہے، اس سے متصل دوسرے پہاڑ کے دامن میں ایک صاحبِ کتاب رسول دفن ہیں۔ اسی مینار کی جگہ حضرت آدمؑ کو وہ کلمات سکھائے گئے تھے جن کا ذکر قرآن میں ملتا ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (الاعراف۔23)

اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی اور اگر آپ ہماری بخشش نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو واقعی ہم بہت بڑا نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے۔

تاخیر ہونے کے اندیشہ سے مزدلفہ جانے کا ارادہ ترک کیا اور واپس مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ راستے میں جنت المعلٰی کی زیارت کا پروگرام بنا۔ پُل کے قریب پہنچے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے آواز دی۔ پھر مختلف سمتوں سے دعوت ملی:

"ھلموا الینا"

اہل برزخ سے ملاقاتوں کا مزا بھی جداگانہ ہے۔ اگرچہ یہ حضرات علیین میں اپنے اپنے مقام پر ہوتے ہیں مگر روح کا تعلق جائے تدفین میں جسم کے ساتھ بھی قائم رہتا ہے۔ جب کوئی اہل اللہ ان کے مقابر کا رخ کرے تو کمال شفقت عود کر آتی ہے اور ان کے مقابر روحانی ملاقات کا واسطہ بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت جیؒ کا معاملہ ایسا تھا کہ صدیوں بعد ایسی ہستیوں کی آمد ہوتی ہے۔ ایسے میں اُن ارواح مقدسہ کی شفقت قدرتی تھی اور ملاقات کے لئے چاہت بھی ایسی جیسے والدین اپنی سعادت مند اولاد کیلئے دامن شفقت کھول کر سینے سے لپٹانے کے

لئے بے تاب ہوں۔ اس روز جنت المعلیٰ میں اطراف سے ملنے والی دعوت "ھلموا الینا" کے پیچھے بھی یہی روح کار فرما تھی۔ حضرت جیؒ کا معاملہ تو الگ رہا لیکن جب آپؐ کے قدموں میں چند گھڑیاں بسر کرنے والوں کے ساتھ بھی کچھ اسی طرح کی صورتِ حال پیش آنے لگے تو اپنا داغ داغ دامن دیکھتے ہوئے عرقِ ندامت کے چند قطرے نذر کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ یہ پذیرائی نسبتِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے دم قدم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نسبت کو سلامت رکھے، آمین!

حضرت جیؒ رک گئے اور عرض کیا:

"آپ ایک سے ایک بڑھ کر ہیں، کس کو چھوڑیں، کس کے پاس جائیں۔"

اطراف سے جواب ملا:

"مرحبا، مرحبا ...."

ایک جگہ کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی، ایصال ثواب کا تحفہ پیش کیا اور آگے بڑھے۔

سیدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مزار پر گئے۔ قریب ہی حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قبر بھی تھی لیکن دیکھا کہ دونوں قبریں خالی ہیں اور ارواح علیین میں چلی گئی ہیں۔ نورِ بصیرت سے دیکھا کہ اس کی وجہ وہاں روافض کا ہجوم تھا۔ 2 فروری 1971ء کو جبل نور دیکھنے کا پروگرام بنا۔ حضرت جیؒ دامن میں پہنچ کر رک گئے جبکہ باقی احباب غارِ حرا تک پہنچے۔

4 فروری 1971ء آٹھویں ذوالحجہ تھی جسے یوم الترویہ کہتے ہیں۔ مناسکِ حج کی ابتدا علی الصبح جائے رہائش پر احرام باندھنے سے ہوئی جس کے بعد حرم شریف میں آ کر طوافِ قدوم کیا اور ساتھ ہی سعی بھی کر لی گئی کیونکہ طوافِ زیارت کے موقع پر سعی کرنا حضرت جیؒ کی عمر اور صحت کے لحاظ سے مشکل تھا۔ ظہر سے قبل منیٰ پہنچے اور معلّم کے عدمِ تعاون کی وجہ سے اجتماعی صورت میں قیام کا بندوبست کرنے میں خاصی مشکل پیش آئی۔

اسی روز حکیم بشیر کی وجہ سے ایک ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آیا۔ حضرت جیؒ نے اس ذہنی طور پر معذور شخص کے متعلق فرمایا تھا، کُلُّ شَیْئٍ شَیْئٌ اِلاَّ الْجَاھِلُ فَاِنَّہٗ لَیْسَ شَیْئٌ (ہر چیز کچھ نہ کچھ تو ہوتی ہے سوائے جاہل کے جو کچھ بھی نہیں ہوتا)۔ اس سے قبل اس شخص نے ایک مرتبہ حضرت امیر المکرم سے خواہ مخواہ نزاع کی صورت پیدا کر لی تھی جس کا تذکرہ حضرت جیؒ کے خطوط میں ملتا ہے۔ یوم الترویہ جیسے مبارک دن بھی مکہ مکرمہ میں حکیم بشیر نے ایک بزرگ ساتھی کو ناراض کیا جس کے نتیجہ میں وہ ساتھی دلبرداشتہ ہو کر ایامِ حج میں حضرت جیؒ اور احباب سے الگ تھلگ رہے۔ اگرچہ دو روز بعد منیٰ میں دوبارہ آن ملے لیکن روحانی تنزلی کی صورت میں ان کا نقصان ہوا۔ حضرت جیؒ نے حج سے واپسی پر حضرت امیر المکرم کے نام ایک مکتوب میں اس کا تذکرہ فرمایا "دو راتیں جدا رہنا ہی ان کو نقصان پہنچا گیا۔ ان کی جگہ پر مولانا .... آ گئے۔"

یہ واقعہ ان احباب کے لئے سبق کا درجہ رکھتا ہے جو بعض ساتھیوں کے طرزِ عمل سے دلبرداشتہ ہو کر سلسلۂ عالیہ یا شیخ سے کھچاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہ عمل مقاماتِ سلوک میں تنزلی کا باعث بنتا ہے اور اگر جلد اصلاح کی صورت پیدا نہ ہو تو سلسلۂ عالیہ کی برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

5 فروری 1971ء کو یوم عرفہ تھا۔ مناسکِ حج کے مطابق حضرت جیؒ زوال سے قبل میدانِ عرفات پہنچ گئے۔ اس روز آپؒ کی طبیعت انتہائی ناساز تھی اور کمزوری حد سے بڑھ گئی تھی۔ آپؒ کے ساتھ کچھ احباب معلّم کے خیمے میں رہے جبکہ دیگر ساتھی مسجدِ نمرہ چلے گئے۔ آپؒ کی صحت اس قابل نہ تھی کہ خیمہ سے باہر نکل سکتے لیکن عصر کے بعد اصرار فرمایا اور ساتھیوں کے ہمراہ جبل رحمت کے دامن تک پہنچے۔ چوٹی پر چڑھنے کا ارادہ کیا لیکن صحت نے اجازت نہ دی تو اسی جگہ وقوفِ عرفات کیا اور دیر تک دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔

وقوفِ عرفات مکمل کرتے ہوئے حضرت جیؒ نے احباب کو فرمایا:

"مبارک ہو"

یہ مبارکباد قبولیتِ حج پر خوشی کا اظہار تھی۔

مغرب کے بعد گاڑی سے مزدلفہ کے لئے روانگی ہوئی۔ یہاں پہنچ کر کھلی وادی میں جھاڑیوں کے درمیان ڈیرہ جمایا اور رات بھر ذکرواذکار اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔ 6 فروری کو سورج نکلنے سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہوئے اور منیٰ پہنچے۔ یہاں معلّم کے خیمہ میں رہائش کا بندوبست کیا، باقی مناسکِ حج ادا کئے اور 9 فروری کو مکہ مکرمہ واپسی ہوئی۔ یہاں پہنچے تو واپسی کی نشستوں کے تحفظ کا مرحلہ درپیش تھا جس کے بغیر مدینہ منورہ حاضری کی اجازت نہ تھی۔

بحیثیت ناظمِ اعلیٰ نشستوں کا تحفظ حافظ عبدالرزاقؒ کے ذمہ تھا لیکن اس سے قبل انہیں ہوائی سفر یا بکنگ وغیرہ کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ کراچی سے روانہ ہوئے تو واپسی کا خانہ خالی رکھا لیکن مکہ مکرمہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ اب حاجیوں کے رش کی وجہ سے واپسی کی نشستیں محفوظ کرانا کارِ دارد۔ کئی بار جدہ آئے لیکن پی آئی اے کا مستقل جواب تھا کہ آئندہ چھ ماہ تک سیٹ ملنے کا امکان نہیں اور جب ملے گی تو نیا کرایہ دینا ہوگا۔ جدہ میں انہوں نے یہ مسئلہ اپنے ایک دوست کے سامنے رکھا جو سفارت خانہ کے سکول میں ملازم تھے۔ وہ انہیں ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس لے گئے کہ شاید ان کا اثر ورسوخ کام آجائے۔ دورانِ گفتگو حافظ صاحبؒ کی تعلیمی قابلیت اور تدریسی تجربے کا ذکر ہوا تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے انہیں اپنے ہی سکول میں اعلیٰ مشاہرے پر تقرری کی پیشکش کر دی۔ واپسی پر حضرت جیؒ سے اس کا ذکر کیا تو آپؒ نے فرمایا:

"کیا آپ نوکر نہیں ہیں جو ملازمت کے متعلق سوچ رہے ہو! مشائخ نے سلسلہ کی خدمت آپ کے سپرد کر رکھی ہے۔ آپ باقاعدہ ملازم ہیں اور آپ کے ذمہ بہت سے کام ہیں، کہیں ملازمت کا خیال دل میں نہ لانا۔"

یوں تو ہر مومن نے جنت کے عوض اپنی جان کا سودا اللہ تعالیٰ سے چکا رکھا ہے لیکن وہ خوش نصیب جنہیں سلسلہ عالیہ میں کوئی ذمہ داری سونپ دی جائے، ان کی زندگی کا کوئی لمحہ اپنا نہیں ہوتا جسے اپنی مرضی سے صرف کر سکیں۔ وہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی اس بات کے مکلف ہیں کہ شیخ یا امیر سے اجازت طلب کریں تاکہ دربارِ نبوی ﷺ کے غلام اور کارندے کی حیثیت سے ان کی ذمہ داری میں خلل واقع نہ ہو۔

نشستوں کے تحفظ کے لئے بار بار جدہ کے چکر اور تمام ذرائع بروئے کار لانے کے باوجود کامیابی نہ ہوئی تو معلّم کی خدمات حاصل کی گئیں لیکن اس کے لئے اچھی خاصی فیس ادا کرنا پڑی۔

10 فروری کو احباب نے غارِ ثور کی زیارت کی لیکن حضرت جیؒ کے لئے یہ چڑھائی ممکن نہ تھی۔ آپؒ جبل ثور تک گئے اور کچھ دیر وہاں ٹھہر کر واپس لوٹ آئے۔ 12 فروری کو یومِ جمعہ تھا۔ تنعیم جا کر احرام باندھا اور واپس آکر عمرہ کیا۔ اسی روز معلّم کی طرف سے خبر ملی کہ نشستوں کا تحفظ ہو چکا ہے اور 26 فروری کو صبح پانچ بجے جدہ سے کراچی کے لئے روانگی ہوگی۔

13 فروری کا پورا دن بیت اللہ میں گزرا۔ اس روز موسلا دھار بارش ہوئی اور تیز ہوا چلنے لگی تو میزابِ رحمت سے گرنے والے بارانِ رحمت کے چھینٹے حطیم میں موجود ساتھیوں کے حصہ میں بھی آئے۔

14 فروری کو مدینہ منورہ روانگی کا پروگرام تھا جو معلّم کی طرف سے ٹیکسی کے انتظام میں تساہل کی وجہ سے مزید ایک دن مؤخر ہوا۔ 15 فروری کو ظہر کے بعد طوافِ وداع کیا جس کے بعد احباب مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ حضرت جیؒ 15، 16 فروری کی رات جدہ سے بذریعہ ہوائی جہاز مدینہ منورہ پہنچے جبکہ احباب کی آمد 16 فروری کو ظہر کے وقت ہوئی۔

خواتین کا صفحہ

حضرت اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا۔ خاتونِ اُحد

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب: آپؓ کا اسم مبارک نسیبہ تھا۔ کنیت ام عمارہ تھی۔ تاریخ میں اسی نام سے مشہور ہیں۔ آپؓ انصاریہ تھیں اور قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔

آپؓ کا نسب نامہ کچھ یوں ہے نسیبہ بنتِ کعب بن عمر بن عوف بن مبذول۔۔۔۔۔بن نجار

خاندانِ بنو نجار کی فضیلت: یہ خاندان یوں تو شروع سے ہی مدینہ منورہ میں معزز سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں حضور ﷺ کا ننھیال ہونے کی بنا پہ کہ سرورِ عالم سے قرابت داری ہے اس قبیلہ کو ممتاز ترین سمجھا جانے لگا۔ دراصل حضور ﷺ کی پردادی ''سلمیٰ''، حضرت عبدالمطلب کی والدہ اور ہاشم بن عبد مناف کی اہلیہ خاندانِ نجار سے تھیں۔ اس لیے حضور ﷺ بنو نجار کو بہت عزیز جانتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر میں انصار کے کسی گھرانے میں شامل ہوتا تو بنو نجار میں شامل ہوتا''

رحمت عالم ﷺ جب چھ برس کے تھے تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ اپنی لونڈی حضرت ام ایمنؓ کے ہمراہ آپ ﷺ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور وہاں کم وبیش ایک ماہ تک بنو نجار کے ہاں مقیم رہیں۔ واپسی کے سفر میں ابواء کے مقام پر پہنچیں تو بیمار ہوگئیں اور وہیں سفرِ آخرت اختیار کیا اور حضور ﷺ ام ایمنؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچے لیکن اس زمانہ قیام کی باتیں برس ہا برس بعد بھی حضور ﷺ کو یاد رہیں۔ ایک دفعہ بنو نجار کے ایک محلے سے گزرے تو آپ ﷺ نے ایک مکان کی طرف اشارہ فرمایا کہ ''یہی وہ مکان ہے جہاں میں اپنی والدہ کے ہمراہ ٹھہرا تھا'' پھر آپ ﷺ نے ایک تالاب اور میدان کی طرف اشارہ کیا ''یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا اور یہی وہ میدان ہے جہاں میں ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔''

ہجرت کے بعد آپ ﷺ قباء میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کی میزبانی کا شرف ابوایوب انصاریؓ کو ملا جو بنو نجار ہی کے ایک رئیس تھے۔ بنو نجار کا بچہ بچہ خوشی سے بے خود تھا اور معصوم بچیاں دف بجا بجا کر یہ گیت گا رہی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بنی النَّجارِ — ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں

یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَار — محمد ﷺ کیا ہی اچھے ہمسایہ ہیں

حضور ﷺ ان بچیوں کے پاس سے گزرے تو مسکرا کر فرمایا: ''بچیو! کیا تم مجھ سے الفت رکھتی ہو'' سب نے مل کر جواب دیا ''ہاں یا رسول اللہ ﷺ'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم بھی مجھ کو بہت عزیز ہو۔''

بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اہلِ مدینہ نے دینی امور کی حفاظت کے لیے بارہ نقیب منتخب کیے تھے ان میں حضرت اسعدؓ بن زرارہ، بنو نجار کے نقیب تھے۔ ہجرت کے تھوڑے ہی عرصے بعد وہ فوت ہوگئے تو بنو نجار کے لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! اسعدؓ کی جگہ کوئی اور نقیب مقرر فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ میرے ماموں ہو اس لیے اب بنی نجار کا نقیب میں خود ہوں۔''

سبحان اللہ! حضور نبی کریم ﷺ کیا ہی خوب قرابت نبھانے والے تھے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر بنونجار کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور یوں یہ خاندان انصار میں اس عظیم سعادت کے باعث اور بھی ممتاز و محترم ہوگیا۔ ایسے خاندان سے تعلق رکھنا بجائے خود ایک بہت بڑا شرف ہے لیکن امِ عمارہؓ کا حقیقی سرمایہ افتخار وہ جذبہ اخلاص، والہانہ عقیدتِ مصطفی ﷺ اور جانثاری تھی کہ جس نے انہیں اپنی جان و مال ہر شے سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اسی جذبہ اخلاص کے باعث بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان پہ فخر اور رشک کیا کرتے تھے۔

نکاح: حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا جوان کے چچازاد تھے۔ زید سے ان کی دو اولادیں ہوئیں: عبداللہؓ اور خُبیبؓ، ان دونوں بھائیوں نے تاریخ اسلام میں بڑی شہرت پائی۔

زید کی وفات کے بعد ام عمارہؓ، عربہؓ بن عمرو کے نکاح میں آئیں ان سے دو بچے تمیم اور خولہ پیدا ہوئے۔

قبولِ اسلام: حضرت ام عمارہؓ کا شمار انصار کے سابقین الاولین میں ہوتا ہے۔ وہ اس زمانے میں مسلمان ہوئیں جب بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعبؓ بن عمیر یثرب میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ نیز قبولِ اسلام کے بعد انہیں اُن ۷۵ نفوسِ قدسی میں شامل ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا جنہوں نے عقبہ کبیرہ میں سرور عالم ﷺ سے جانثاری کا عہد کیا کہ اگر آپ ﷺ یثرب تشریف لائیں تو وہ اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپ ﷺ کی تائید و نصرت کریں گے۔

حافظ ابن حجر کے مطابق اس موقع پہ ان کے شوہر عربہؓ بھی اس بیعت میں شریک تھے۔ لیکن اکثر سیرت کی کتابوں میں دیگر شرکا کے مابین ان کا نام نہیں ملتا البتہ ام عمارہؓ کی شمولیت پہ سب کو اتفاق ہے۔

غزوہ احد میں شرکت: ہجرت کے تیسرے سال مسلمانوں کو احد کا معرکہ پیش آیا۔ امِ عمارہ بھی اس میں شریک ہوئیں۔ جب تک مسلمان فتحیاب تھے وہ مشک میں پانی بھر بھر کر لوگوں کو پلاتی رہیں لیکن جب انہوں نے اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھا اور مجاہدین انتشار کا شکار ہوئے اور اس وقت حضور ﷺ کے گرد گنتی کے چند سرفروش رہ گئے تو وہ بھی مشکیزہ پھینک کر تلوار سنبھالے حضور ﷺ کے گرد پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں۔ کفار بار بار یورش کر کے حضور ﷺ پر حملہ آور ہوتے اور وہ دیگر صحابہؓ کے ہمراہ تیر و تلوار سے روکتیں۔ ایسا نازک وقت بھی اس خاتون کے پائے استقامت کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا۔

خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے "میں نے اُحد میں امِ عمارہؓ کو اپنے دائیں بائیں برابر لڑتے دیکھا۔" اثنائے جنگ، ایک مشرک گھوڑا دوڑاتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور تلوار کا وار کیا۔ ام عمارہؓ نے اسے اپنی ڈھال پر روکا اور پھر اس کے گھوڑے کے پاؤں پہ ایسا بھرپور وار کیا کہ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پہ آ رہے۔ حضور ﷺ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ام عمارہؓ کے بیٹے عبداللہؓ کو پکار کر فرمایا: "عبداللہؓ اپنی ماں کی مدد کر" وہ لپکے اور ایک ہی وار میں اس مشرک کو جہنم واصل کر دیا۔ عین اس وقت ایک دوسرا مشرک آیا اور عبداللہ کا بازو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ ام عمارہؓ نے اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کا زخم باندھا اور کہا "بیٹے جاؤ جب تک دم میں دم ہے، لڑو۔" ان کی جانثاری دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا "**من یطیق ماتطیقین یا اُمِّ عمارہ** رضی اللہ عنہا (اے امِ عمارہ! جتنی طاقت تجھ میں ہے اور کسی میں کہاں) ؟ وہی مشرک پلٹا اور پھر حملہ آور ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "ام عمارہؓ! سنبھلنا۔ اسی بدبخت نے عبداللہؓ کو زخمی کیا تھا" ام عمارہ جوشِ غضب سے جھپٹیں اور تلوار کے ایک ہی وار سے اسے دو ٹکڑے کر دیا۔ حضور ﷺ متبسم ہوئے اور فرمایا، "ام عمارہؓ تو نے اپنے بیٹے کا خوب بدلہ لیا۔ (تذکار صحابیات)

ایک بدبخت نے حضور ﷺ پر دور سے پتھر پھینکا جس سے

آپ ﷺ کے دو دندانِ مبارک شہید ہوئے، صحابہ اس طرف متوجہ ہوئے تو ابن قمیہ نامی قریش کا مشہور شہ سوار حملہ آور ہوا اور حضور ﷺ پہ تلوار کا وار کیا۔ حضور ﷺ خود پہنے ہوئے تھے۔ تلوار کے وار سے خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں کُھب گئیں اور خون کی دھاریں پھوٹ نکلیں۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہوگیا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بے تابانہ آگے بڑھیں اور چنداں ہراساں نہ ہوئیں۔ نہایت جرأت سے مشرک پہ وار کیا لیکن وہ دو زرہیں پہنے ہوئے تھا، اُن کا وار بے اثر رہا اور ابن قمیہ کو دوبارہ وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو جوابی کاروائی کرتے ہوئے زخمی کر دیا جس سے ان کے کندھے میں غار پڑ گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ کافر وہاں ٹھہرا نہیں، بھاگ نکلا۔

حضور ﷺ نے خود ان کے زخم پہ پٹی بندھوائی اور کئی بہادر صحابہؓ کے نام لے کر فرمایا ''واللہ! آج ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے ان سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی۔'' ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی معیت نصیب ہو۔'' حضور ﷺ نے با آواز بلند فرمایا:

''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّۃِ''

ام عمارہؓ کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ بے اختیار بولیں ''مَا اُبَالِیْ مَا اَصَابَنِیْ مِنَ الدُّنْیَا'' ''اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی پرواہ نہیں۔'' (تذکار صحابیات)

جنگ کے بعد حضور ﷺ اس وقت تک گھر تشریف نہ لے گئے جب تک حضرت عبداللہؓ بن کعب مازنی کو بھیج کر ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی خیریت نہ دریافت کر لی۔

ایک روایت ہے کہ غزوہ احد میں حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے جسم پہ بارہ زخم آئے۔

دیگر غزوات میں شرکت: علامہ ابن سعدؒ کے مطابق غزوہ احد کے بعد انہوں نے بیعت رضوان، جنگ خیبر، عمرۃ القضا اور غزوہ حنین میں بھی شرکت کی۔

ایک دوسری روایت کے مطابق انہیں فتح مکہ کے موقع پہ بھی حضور ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

حضور ﷺ کی شفقت: حضور ﷺ حضرت عمارہؓ پہ خاص شفقت فرماتے وہ اپنی عقیدت ومحبت میں ہمہ وقت جان فدا کرنے پہ آمادہ رہتیں۔ آپ ﷺ کبھی کبھار ان کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔

مسند احمد اور اصابہ میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ حضرت عمارہؓ کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا آپ ﷺ نے فرمایا ''تم بھی کھاؤ'' عرض کیا ''رسول اللہ ﷺ! میں روزے سے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ''روزہ دار کے سامنے کچھ کھایا جائے تو فرشتے اس پہ درود بھیجتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت اُم عمارہؓ کے سامنے کھانا کھایا۔ (مسند: ج6، ص365)

مسیلمہ کذاب کا فتنہ: یمامہ کے قبیلے بنوحنیفہ کا ایک شخص مسیلمہ بن حبیب مسیلمہ، 10 ہجری کو مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا لیکن جب وہ واپس اپنے قبیلہ میں گیا تو حرص وعار میں اندھا ہوکر مرتد ہوگیا اور کہنے لگا حضور ﷺ نے مجھے اپنے نبوت میں حصہ دار بنالیا ہے۔ اس کے بعد اس نے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک خط بھیجا جس میں اسی بات کا دعویٰ کیا۔

حضور ﷺ نے ایک اصلاحی جواب روانہ فرمایا لیکن اس کے بعد ہی 11ھ میں حضور ﷺ کا وصال ہوگیا اور اس شخص کو کھل کر سامنے آنے کا موقع مل گیا اور اس نے نہایت زور وشور سے نبوت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔ بنوحنیفہ کا ایک اور شخص نہار لرجال ایاس بن عنقو

بھی تھا جو کافی عرصہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا اور اس کو حضور ﷺ نے اہل یمامہ کا نقیب یا معلم بنا کر بھیجا تھا، وہ بھی مرتد ہوگیا اور اپنی بدبختی سے مسیلمہ کا حامی بن بیٹھا۔ اس نے اپنی طرف سے ایک جھوٹی حدیث گھڑ کر لوگوں کو سنائی کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے سامنے یہ فرمایا کہ مسیلمہ میری نبوت میں شریک ہے۔ اس جھوٹی حدیث کو سن کر بہت سے لوگوں نے مسیلمہ کے دعویٰ کو تسلیم کرلیا۔ نیز اس نے اپنی شعبدہ بازیوں اور ستم رانیوں کے باعث لوگوں کو کہیں بہلا پھسلا کر اور کبھی زبردستی اپنا معتقد بنانا شروع کردیا۔ یوں تھوڑی ہی مدت میں اس کے جھنڈے تلے چالیس ہزار جنگجو جمع ہوگئے جو ہر شخص پر ظلم کرتے جو اس کی نبوت کا انکار کرتا۔

بیٹے کی شہادت: یہ 11ھ کا زمانہ ہے۔ وصال مبارک ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے اس نازک دور میں سارے عرب میں فتنہ ارتداد کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ نومسلموں کے قبائل اس کی لپیٹ میں آ گئے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ، اللہ ان کی ذات پاک پہ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، مرتدین کی سرکوبی کے لیے معرکہ آرا ہوگئے۔ اسی زمانے میں ایک دن حضرت اُمِ عمارہؓ کے بیٹے حبیبؓ بن زید، عمان سے مدینہ منورہ آرہے تھے کہ راستے میں مسیلمہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ وہ انہیں مسیلمہ کے سامنے لے گئے۔ اس نے انؓ سے پوچھا: "محمد ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ بلا تامل بولے "وہ خدا کے سچے رسول ﷺ ہیں۔" مسیلمہ نے غضب ناک ہوکر ان پہ تلوار کا وار کیا اور ایک ہاتھ شہید کرڈالا پھر پوچھا "میری نبوت مانو گے یا نہیں؟" حضرت حبیبؓ نے جواب دیا "ہرگز نہیں۔" مسیلمہ نے دوسرا ہاتھ بھی شہید کردیا۔ اور کہا "میری رسالت مان لو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔" لیکن وہ ام عمارہؓ جیسی ماں کے فرزند تھے بولے "اشھد ان محمد رسول اللہ" اس پہ اس کذاب نے ان کے ایک ایک بند کو کاٹا اور انہیں تڑپتا دیکھ کر قہقہے لگا تا رہا۔ حضرت اُمِ عمارہؓ نے اپنے مجاہد فرزند کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی ثابت قدمی پہ پہلے تو شکر بجالائیں اور پھر عہد کیا کہ "یا تو مسیلمہ قتل ہوگا اور یا پھر وہ خود جان دے دیں گی۔" ان حالات واقعات کے سبب 11ھ میں جنگِ یمامہ پیش آئی اور حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور کیا۔ حضرت اُمِ عمارہؓ بھی اپنی تلوار لے کر حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل ہوگئیں۔

مسیلمہ نے بنوحنیفہ اور حامی قبائل کو عصبیت کے زور پہ بھڑکایا اور یوں دونوں افواج میں گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمان اور مرتدین کی تعداد میں ایک اور چار کا تناسب تھا۔ لیکن مسلمان مجاہدین ہمیشہ کی طرح اپنی کم تعداد کو اپنے زور ایمان کے باعث شکست دیتے ہوئے اس پامردی سے لڑے کہ کذاب فوج کا رخ موڑ دیا۔ مسیلمہ کے بیٹے شرجیل نے صورتِ حال دیکھی تو اپنے قبیلے سے مخاطب ہوا۔

"اے بنوحنیفہ! اپنی جان ہتھیلی پہ رکھ کر مقابلہ کرو، آج قومی غیرت حمیت کا دن ہے اگر شکست کھائی تو تمہارے اہل وعیال پہ مسلمان قبضہ کرلیں گے اپنے ننگ وناموس کی حفاظت کے لیے لڑو۔"

اس تقریر نے بجلی کا کام کیا اور بنوحنیفہ اس شدت سے لڑے کہ مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ مسلمانوں کو اب تک ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ حضرت خالدؓ نے اس کا حل یہ نکالا کہ مسلمانوں کے تمام قبائل کو الگ الگ کردیا اور اعلان کیا کہ ہر قبیلہ اپنے عَلم تلے لڑے تاکہ پتہ چل جائے آج راہِ حق پہ کون ثابت قدم رہا۔ اس تدبیر کا خاطر خواہ اثر پڑا اور ہر قبیلہ شجاعت واستقامت میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ اور یوں مسیلمہ کی فوج کو پسپائی پہ مجبور کردیا۔ وہ ایک باغ حدیقۃ الرحمن" میں جا گھسے اور پھاٹک بند کرلیا۔ حضرت براء بن مالکؓ دیوار پھاند کر اندر کودے تو لڑتے بھرتے باغ کے دروازے

پہ پہنچے اور پھاٹک کھول دیا۔ آخر فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ حضرت ام عمارہؓ اس پوری جنگ میں شروع سے آخر تک شریک رہیں اور برابر لڑتی رہیں۔ کئی بار مسیلمہ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن بنوحنیفہ اسے آڑ میں لیے ہوئے تھے۔ اس وقت تک بارہ سو مسلمان شہید ہو چکے تھے لیکن مرتدین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ اُمِ عمارہؓ اپنی برچھی سے راستہ بناتی اور زخم پہ زخم کھاتی مسیلمہ کے قریب جا پہنچیں۔ وہ وار کرتیں کہ ان کے بیٹے عبداللہؓ اور وحشیؓ کے ہتھیار دونوں ایک ساتھ پڑے اور وہ کذاب، کٹ کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا۔ اس جنگ میں بڑے بڑے اکابر صحابہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا اور بالآخر یہ فتنہ ختم ہوا۔ حضرت ام عمارہؓ اپنے بیٹے کے قاتل اور مسلمانوں کے بدترین دشمن کے خاتمے پہ سجدہ شکر بجالائیں۔ امیر لشکر حضرت خالدؓ نے حضرت اُمِ عمارہؓ کا علاج بڑی تندہی سے کرایا کہ کچھ ہی عرصے میں زخم مندمل ہو گئے لیکن ایک ہاتھ ہمیشہ کے لیے شہید ہو گیا۔ اُمِ عمارہؓ ہمیشہ حضرت خالدؓ کی تعریف فرماتی تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خبر گیری: حضرت ابوبکرؓ بھی کبھی کبھی حضرت اُمِ عمارہؓ کے ہاں خبر گیری کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ فاروق اعظمؓ سمیت تمام صحابہؓ ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور انہیں ''خاتون اُحد'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب مالِ غنیمت میں ایک بہت قیمتی زرکار دوپٹہ موصول ہوا تو حضرت عمرؓ کو حاضرین مجلس میں سے ایک نے رائے دی کہ وہ یہ دوپٹہ حضرت عبداللہ (فرزند) کی بیوی کو دیں ''تو حضرت عمرؓ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد فرمایا ''نہیں یہ دوپٹہ ام عمارہؓ کو دونگا، وہ اس کی سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ میں نے حضور ﷺ سے خود سنا کہ احد کے دن میں ام عمارہؓ کو اپنے دائیں بائیں لڑتے دیکھتا تھا۔ اور پھر انہیں وہ دوپٹہ بھجوا دیا۔

وفات: ان کے سالِ وفات پہ تاریخ خاموش ہے۔ قرین قیاس ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کی خلافت کے دوران ہی وفات پائی۔

فضل وکمال: ان سے چند احادیث مروی ہیں جو عباد بن تمیم (پوتے) لیلیٰ (کنیز) عکرمہ، حارث، ابن کعب اور ام سعد بنت سعد بن ربیع سے مروی ہیں۔

اخلاق: نہایت جری، بہادر، بلند ہمت اور عالی حوصلہ خاتون تھیں۔ دینِ حق کی خاطر سر بکف رہنے کا جذبہ اور ہادیٔ اکرم ﷺ سے والہانہ محبت وعقیدت ان کا سرمایہ افتخار تھا۔ رضی اللہ عنہا

۞۞۞

صفحہ نمبر 47 سے آگے

حضرت انسؓ نے نبی اکرم ﷺ کی تقریباً دس سال خدمت کی سعادت حاصل کی۔ حضرت انسؓ ابھی چھوٹے تھے جب سے انہیں آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت کا موقع ملا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی آپ ﷺ نے حضرت انسؓ کو کوئی کام کرنے کو فرمایا ہوتا اور یہ بھول جاتے یا اس کام کے کرنے میں کوتاہی کر بیٹھتے تو آپ ﷺ انہیں ڈانٹ نہیں پلایا کرتے تھے بلکہ اگر گھر والوں میں سے بھی کوئی سخت بات کہہ دیتا تو اُسے منع فرماتے۔

۞۞۞

دعائے مغفرت

اسلام آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی کامران خالق کے والد محترم
انک سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد لطیف کے بیٹے محمد حنیف
بہاولپور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی نازک اویسی کی والدہ محترمہ
ڈسکہ سیالکوٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی منظور کی اہلیہ
فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد شوکت کی اہلیہ
لاہور سے سلسلہ عالیہ کی ساتھی حمیدہ بیگم
لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد شفیق ظفر کی اہلیہ
وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بچوں کا صفحہ

قسط نمبر 19

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

ع حنان، لاہور

عظیم لقب:

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے رَبُّ الْعَالَمِیْن کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر 107 میں نبی اکرم ﷺ کے لیے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ عالمین سے صرف یہ کرۂ ارض (زمین) مراد نہیں ہے بلکہ کل کائنات (تمام جہان)، تمام ارض وسماء (زمین اور آسمان) مراد ہیں۔ اللہ پاک کی تو کسی بھی صفت کا احاطہ ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات میں اپنی تمام رحمت کو اکٹھا کر دیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن "اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

کیا کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو عطا کیے گئے اس عظیم لقب کا اپنے عقل وشعور ودانش اور اپنی سمجھ سے احاطہ کر سکتا ہے؟ نہیں! ممکن ہی نہیں۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالمین (جہانوں) کے لیے رحمت وخیر وبرکت بنا کر بھیجا ہے اور ان میں فرشتے، انسان، جن، حیوان اور وہ تمام مخلوق جسے ہم نہیں بھی جانتے، شامل ہے۔

یوں تو تمام انبیاء کرام اپنے اپنے زمانے کے لیے رحمت ہی بن کر آئے تھے مگر وہ چونکہ اپنی اپنی قوموں کے لیے اور ان علاقوں کے لیے مبعوث ہوئے تھے جن میں وہ اور ان کی قوم رہتے تھے تو اس لیے اُن کی تعلیمات اور شریعتیں عالمگیر یعنی پوری دنیا کے لیے نہ تھیں جبکہ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ تو آخری نبی ﷺ ہیں اس لیے اللہ نے آپ ﷺ پر دین مکمل فرما دیا جو تمام انسانیت بلکہ پوری کائنات کے لیے قیامت قائم ہونے تک کے لیے ہے، اور ہر طرح کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے سراجاً منیرا (چمکتا ہوا روشن سورج) بنا دیا۔ جو زندگی کے ہر شعبے میں ہر طرح سے رہنمائی مہیا فرماتا ہے اپنے خوبصورت، روشن اسوۂ حسنہ (طریق زندگی) میں، ظاہری پہلو ہو یا باطنی پہلو، آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق، درد دل، تمام انسانیت کے لیے غمگین رہنا کہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد بھی کوئی جہنم میں نہ جائے، راتوں کو جاگ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء وعبادات میں قدوم مبارک پر ورم آجانا، یہ سب آپ ﷺ کے رحمت للعالمین ہونے کے زمرے ہی میں آتا ہے۔ آپ ﷺ کی اسی رحمت للعالمینی کے صدقے اللہ تعالیٰ نے اجتماعی عذاب ہٹا دیئے۔ تمام زمین کو مسجد قرار دے دیا۔ دنیا جہاں میں آج بھی جہاں خیر وبرکت نظر آتی ہے وہ انہی رحمت للعالمین ﷺ کے احکام اور طریقے کے مطابق زندگی گزارنے کے صدقے جاری وساری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے تک پہنچنے کا واحد وسیلہ وذریعہ بنا دیا۔ جو انسان بھی آپ ﷺ کا جس قدر اتباع کرتا چلا جائے گا، اس قدر آپ ﷺ سے خیر وبرکت لے کر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے خیر کا باعث بنتا چلا جائے گا۔ اور جو شخص آپ ﷺ کے اتباع سے نکلتا جائے گا وہ اسی قدر دوسروں کے لیے شر اور تباہی کا باعث بنے گا۔

رحمت للعالمین حضرت محمد ﷺ کا بچوں کے ساتھ برتاؤ:

آپ ﷺ کے رحمت للعالمین ہونے سے جہاں کل ارض وسماء فیض یاب ہورہے ہیں وہاں دل چاہتا ہے کہ دیکھیں کہ آپ ﷺ کا بچوں کے ساتھ محبت وشفقت بھرا سلوک کیسا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی اور کو بچوں پر رحم کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ تو کل عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، بچوں کے لیے تو آپ ﷺ سے بڑھ کر محبت ورحم کرنے والا واقعی کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

ایک دفعہ حضرت بلالؓ کسی تعمیر میں مصروف تھے کہ وہاں اُن کے اردگرد بچے جمع ہوگئے اور حضرت بلالؓ کو تنگ اور شرارتوں سے پریشان کرنے لگے، جس پر حضرت بلالؓ بہت ناخوش تھے۔ اتنے میں آپ ﷺ وہاں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے ایک چھوٹے بچے کو پیار سے گود میں لیا اور اس سے ایک اینٹ رکھوائی جس پر سب بچے بہت خوش ہوگئے۔

ایک دفعہ عید کے دن آپ ﷺ نماز عید ادا فرما کر صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد سے باہر تشریف لائے تو ایک یتیم بچے کو روتے ہوئے پایا کہ اُس کے پاس عید کے دن پہننے کو نئے کپڑے نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے شفقت سے بچے کے سر پر ہاتھ رکھا اور اُسے نئے کپڑے دلوا دیئے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں (صحیح بخاری) کہ ایک دن ایک دیہاتی آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو بچوں کو پیار کرتے دیکھ کر کہا کہ آپ ﷺ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں، ہم تو اُن کو بوسہ نہیں دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت کو نکال لیا ہے تو میں تیرے لیے کیا کرسکتا ہوں۔" حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے کبھی کسی ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرنے کا موقع نہیں ملا جو نبی کریم ﷺ سے بہتر اور ہلکی، چھوٹی نماز پڑھاتا ہو۔ اگر نماز پڑھانے کے دوران آپ ﷺ کو بچے کے رونے کی آواز سنائی دیتی تو آپ ﷺ نماز کو چھوٹا/ہلکا کردیتے کہ کہیں اس کی والدہ پریشان نہ ہوجائے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ جن کی عمر تقریباً 16 ماہ تھی، بیمار ہوگئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ہم لوگ گھر میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیمؓ آخری سانس لے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں اٹھایا، پھر بوسہ دیا اور آپ ﷺ کی چشم ہائے مبارک سے آنسو رواں تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے عرض کی 'اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ بھی۔' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا 'اے ابن عوف' یہ فرما کر آنسو پھر رواں ہوگئے، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"آنکھ اشک بار ہے، دل غم زدہ ہے، ہم زبان سے اپنے رب کی ناپسندیدہ بات نہیں کہیں گے۔ اے ابراہیم! ہمیں تمہاری جدائی کا بہت دکھ ہے۔"

حضرت عبداللہ بن بریدہؓ نے اپنے والد کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ فرمارہے تھے کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آگئے۔ دونوں نے سرخ رنگ کی قمیصیں پہن رکھی تھیں۔ جب وہ چلتے تو گر پڑتے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اُن دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے مجھے اپنے سینۂ مبارک کے ساتھ لگالیا اور دعا فرمائی۔ اے اللہ! اسے کتاب کا علم سکھادے۔"

"آپ اکثر بچوں میں گھل مل جاتے اور اُن سے خوش طبعی فرمایا کرتے۔ حضرت انسؓ اپنے چھوٹے بھائی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک پرندے نے اُن کے بھائی پر بیٹ کردی۔ آپ ﷺ ابوعمیرؓ کو دیکھتے تو خوش طبعی کے لیے فرماتے کہ یا ابوعمیر! پرندے نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ آپ ﷺ کئی دفعہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو اپنے کندھے مبارک پر بٹھا لیتے، جس پر وہ خوش ہوتے جیسا کہ سارے بچے خوش ہوتے ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر 45 پر)

مسائی جمیلہ

الاخوات لاہور کے پروگرام

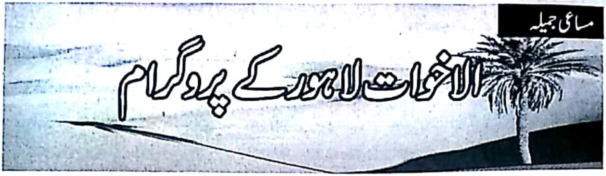

ارشاد باری تعالیٰ؛

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کردے اور جو کوئی ایسا کرے گا تو ایسے لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔(المنفقون 9)

حدیث مبارکہ:

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا، اللہ کا بندہ جو نیک عمل کرتا ہے ان میں سے اللہ کے عذاب سے سب سے زیادہ نجات دلانے والا عمل ذکر الٰہی ہے۔

قولِ شیخ المکرم مدظلہ العالی:

جیسا کہ ارشاد ہے جنت میں کسی کو کوئی دکھ نہیں ہوگا۔اس بات کا ہلکا سے شائبہ ذاکرین کی حیات دنیا میں موجود ہوتا ہے اس عالم کی زندگی بھی پُرلطف ہوجاتی ہے اور آخرت بھی سنور جاتی ہے۔

رواں سال کا آخری مہینہ بھی بہت سے اہم نقوش چھوڑ کر رخصت ہوگیا۔وطن عزیز میں اس ماہ سانحہ پشاور جیسی دلخراش دہشگردی کا واقعہ رونما ہوا اور سب اہل وطن کو دہلا گیا۔شیخ المکرم مدظلہ العالی نے قوم کو پیغام دیا کہ وہ آپس کے اختلاف بھلا کر متحد ہوجائیں اور دشمن کے خلاف مل کر کام کریں۔دسمبر کا مہینہ ربیع الاول کی خوشی بھی لایا اور روحانی تربیت کا اہتمام بھی۔2014 کو رخصت کرتے ہوئے لامحالہ یہ احساس تازہ ہو رہا کہ وقت واقعی پر لگا کر اڑ رہا ہے۔حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ انمول ہے کہ اس سے ابدی راحت کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔

الاخوات لاہور بھی اسی جذبے سے سرگرم عمل رہتی ہے کہ زندگی کے شب و روز کو ذکر اللہ سے آباد کیا جائے اور اسی روشنی کو ہر آنے والے کو تقسیم کیا جائے۔اس سعی میں بشری کمی کوتاہی تو ہوسکتی ہے لیکن خلوص میں انشاء اللہ کوئی کمی نہیں، اس لیے کہ الاخوات کو ایک ایسی کامل ہستی کے ساتھ قلبی نسبت نصیب ہے جو صرف تربیت ہی نہیں کرتی بلکہ خود پورے خلوص اور جانفشانی کے ساتھ میدان عمل میں اللہ کریم کے دین کو سربلند کرتی دکھائی دیتی ہے۔الحمدللہ، اللہ کریم الشیخ المکرم مدظلہ العالی کا سایہ سلامت رکھیں اور تمام عالم اسلام کو فیضیاب کریں اور حقیقی نفاذ اسلام ہوسکے۔آمین!

آیئے دسمبر 2014ء میں الاخوات کی کارکردگی کا جائزہ لیں اور جنوری 2015ء کے لیے الاخوات (لاہور) کے آئندہ پروگراموں کے بارے میں جانیں۔

سب سے پہلے نظر ڈالتے ہیں Glowing Hearts کے پروگرام پر جو 13 دسمبر کو زرینہ ہال لبرٹی کی مسجد میں منعقد ہوا۔اس پروگرام میں "تصوف کیا ہے؟" کے موضوع پر نہایت آسان فہم اور مدلل گفتگو کی گئی جس کو دلچسپ مثالوں سے بچیوں کے لیے آسان کیا گیا۔بچیوں نے ان کے بیان کو بے حد پسند کیا۔پروگرام میں بچیوں کی حاضری تسلی بخش رہی اور انہوں نے بعد میں بہت اچھی Feed Back دی۔صدر صاحبہ نے بچیوں کی دلچسپی پر اللہ کریم کا شکر ادا کیا کہ الاخوات کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ تعمیر سیرت کے عظیم کام کو سرانجام

دے سکیں۔

الاخوات لاہور کے 20 دسمبر 2014ء کو منعقد ہونے والا پروگرام "Say no to Worries" ملتوی کر دیا تھا جس کی وجہ ایوان اقبال میں 28 دسمبر کو منعقد ہونے والا جلسہ بعثتِ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پروگرام تھا۔

الاخوان اور الاخوات کی مشترکہ کوششوں سے اتوار 28 دسمبر 2014ء کو جلسہ بعثتِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم لاہور کے ایوان اقبال میں منعقد ہوا۔ بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب نے اس عظیم موضوع پر گفتگو فرمائی۔ الشیخ المکرم مدظلہ العالی کا ویڈیو خطاب بھی سنایا گیا۔ مرد اور خواتین کی کثیر تعداد نے شرکت کی جبکہ بہت سی خواتین اپنے بچوں کو ساتھ لائیں۔ ڈیوٹی پر موجود الاخوات کی ساتھی بہنوں کے حسن سلوک سے نئی آنے والی خواتین بہت متاثر ہوئیں۔ مہمان خواتین کو نہایت پُرتپاک طریقے سے خوش آمدید کہا گیا اور انہیں خوشبو لگا کر ان کا استقبال کیا گیا۔ کتابوں کے سٹال سے ذکر اللہ اور دیگر کتابچے بھی خوب خریدے گئے۔

LA Cuisine کے تحت کی گئی کوششوں سے فنڈ میں خاطر خواہ رقم جمع ہو جاتی ہے اس سلسلے میں الاخوات کی ایک رکن کی رہائش گاہ پر ان کی زیر نگرانی سہ روزہ کوکنگ کلاسز کا اہتمام کیا گیا، اور اس کورس کی فیس سے مطلوبہ رقم حاصل ہوگئی۔ اسی طرح ایک رکن نے مزیدار ہنٹر بیف اور چکن حلیم بھی بنا کر سردیوں میں خریدنے والوں کا لطف دوبالا کر دیا، اور فنڈ میں خاطر خواہ اضافہ کیا۔

نشر و اشاعت کے شعبے میں نہایت خوش اسلوبی سے کام سرانجام دیا جا رہا ہے۔ الاخوات کی اطلاعات اور پروگراموں کے پیغام بھی ایس ایم ایس کے ذریعے ساتھیوں تک پہنچا دیئے جاتے ہیں اور حسبِ ضرورت دہرا بھی دیئے جاتے ہیں۔ فیس بک پر الشیخ المکرم مدظلہ العالی کے اقوال زریں کو روزانہ اپ لوڈ کیا جاتا ہے۔ الاخوات کے ہر پروگرام کی بھی تشہیر کر دی جاتی ہے۔

ٹرانسپورٹ کے فنڈ کی مد میں ایک معقول رقم جمع ہو جاتی ہے جو ضرورت مند ساتھیوں کے کرائے کے لیے کام آجاتی ہے۔ اس مہینے شدید دھند کی وجہ سے دارالعرفان کا Day Trip ملتوی کیا گیا۔

اجتماعی ذکر کا اہتمام کرنا الاخوات کی ساری کوشش کا حاصل بھی ہے اور مقصد بھی کہ اسی کے ذکر سے قلوب جِلا پاتے ہیں اور اپنی زندگیوں کو اطاعت الٰہی اور اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل بناتے ہیں۔

چنانچہ دسمبر کے مہینے جن میں حلقوں میں اجتماعی ذکر کا اہتمام کیا گیا وہ حسب ذیل ہیں: کیولری گراؤنڈ، ڈیفنس، دھرم پورہ، نیو مزنگ، گلشن راوی، لکھوڈیر، ماڈل ٹاؤن، سلامت پورہ، سمن آباد، تاج پور، واہگہ بارڈر۔

نرسنگ سکولز میں ذکر اللہ کی تبلیغ کا کام بہت اچھا اور باقاعدہ کیا جا رہا ہے فیروز والا کے نواح میں تین گاؤں میں تبلیغ کا کام کیا گیا۔ اس سلسلے میں الاخوات کی ایک رکن نے گاڑی اور ڈرائیور کی سہولت دی اور پٹرول کا خرچ بھی برداشت کرتے ہوئے بھرپور تعاون کیا اور آئندہ کے لیے بھی خدمات پیش کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں۔ گیراج سیل کا اہتمام 23 دسمبر 2014ء کو وسن پورہ میں کیا گیا اور اللہ کریم نے اس میں برکت فرمائی۔

یہ تھی ماہ دسمبر میں ہونے والے چیدہ چیدہ پروگرام کی فہرست اور ان کا جائزہ لینے کے لیے صدر صاحبہ کی رہائش گاہ پر ورکنگ کمیٹی اور سیکٹر انچارجز کی میٹنگ 30 دسمبر 2014ء کو ہوئی جس میں سب عہدیداران کی بھرپور شرکت رہی۔ تلاوت قرآن مجید سے مجلس کا آغاز ہوا اور صدر صاحبہ نے انتہائی شفیق اور محبت بھرے انداز سے سب کو خوش آمدید کیا اور سب کو اس بات کا احساس دلایا کہ ہم سب پر اللہ کا کتنا عظیم احسان ہے کہ ہم سے دین کے کام لے رہے ہیں اور یہ سب اُن برکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ جو ہمیں شیخ

المکرم مدظلہ العالی کی نسبت سے نصیب ہو رہی ہیں۔ لہٰذا تمام سیکٹر انچارجز معمولات ذکر پر خصوصی توجہ دیں اور درود شریف، استغفار کی تسبیحات کو لازمی پڑھیں۔ تلاوت قرآن پاک کو صبح شام کریں اور سیرت پاک حدیث شریف کا مطالعہ بھی اپنے معمولات میں شامل رکھیں۔

اب ایک نگاہ جنوری 2015ء کے پروگرام پر ڈال لیجیے۔

LA Cuisine کی طرف سے 7 جنوری سے 9 جنوری 2015 تک تین روزہ کوکنگ کلاسز کا اہتمام سے محترمہ بیگم راشد کے گھر 979-Z, DHA, Phase 3 میں کیا گیا جو صبح 11:00 بجے سے 01:00 دوپہر تک منعقد کی گئیں۔ LA-Cuisine کی نئی انچارج محترمہ بیگم راشد ہوں گی، یہ تقرری سابقہ انچارج کی نشرواشاعت میں بے پناہ مصروفیت کے پیش نظر کی گئی ہے۔

Glowing Hearts کے تحت ہفتہ 17 جنوری 2015ء کو "کس لیے آئے تھے کیا کر چلے" عنوان کے تحت پروگرام منعقد ہوا۔ یہ محفل حسب سابق زرینہ مال لبرٹی کی مسجد میں 11 بجے صبح سے 12:30 بجے تک منعقد ہوئی۔ جس سے محترمہ بیگم حمید نے خطاب کیا۔

الاخوات کا ماہانہ پروگرام ہفتہ 24 جنوری 2015ء کو زرینہ مال لبرٹی کی مسجد میں منعقد ہوا۔ اس کا موضوع "Say No To Worries" تھا جس سے پنجاب یونیورسٹی کی ایک پروفیسر صاحبہ نے خطاب کیا اس کے علاوہ صدر صاحبہ نے تاکید کی کہ میلاد کی نجی محفلوں میں شامل ہو کر بعثت عالی ﷺ پہ بات کی جائے۔

اللہ کریم 2015ء میں الاخوات سے اپنے دین کی بھرپور خدمت لیں اور قبول بھی فرمائیں اور اُن لوگوں میں شامل فرمائیں جن سے وہ راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب ساتھیوں کو خلوص سے مالا مال رکھیں اور ہمت اور استقامت ذکر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

انتہائی مناسب قیمت میں، لاہور میں پلاٹ خریدنے کا سنہری موقع

DHA 9-10 کے ساتھ

پرل گارڈن ہاؤسنگ سکیم لاہور

LDA سٹی کے بالمقابل برلب نہر

پلاٹ کا قبضہ 18 ماہ میں

ادائیگی 4 سال کی آسان اقساط میں

190,000 روپے فی مرلہ

30% بکنگ

بکنگ 15 مارچ 2015 تک کیلئے ہے

Plot (Marlas)	Total Price	Installment	Booking
3	5,70,000	5000	1,71,000
4	7,60,000	7500	2,28,000
5	9,50,000	10,000	2,85,000
6	11,40,000	12,000	3,42,000
10	19,00,000	20,000	5,70,000
20	38,00,000	40,000	11,40,000

نزد کاہنہ فیروزپور روڈ

پلاٹس کا قبضہ موقع پہ موجود

رجسٹری کی سہولت موجود

کوئی خفیہ چارجز نہیں

میٹرو بس اور پرائیویٹ ٹرانسپورٹ

فول پروف سیکورٹی، 24 گھنٹے

بجلی، سیوریج، پختہ سڑکیں، گیس

مسجد، سکول، باؤنڈری وال

J.S United
Estate & Builders

نیز لاہور اور گردونواح میں جائیداد کی خرید و فروخت کا بااعتماد ادارہ

042-35007340
0321-3012333

facebook.com/jsuestate

قارئین اپنی صوابدید پر معاملہ کریں۔ ادارہ اور سلسلہ عالیہ ہر قسم کی ذمہ داری سے مستثنیٰ ہیں

طب

قسط نمبر 3

سیب (Apple)

حکیم عبدالماجد اعوان سرگودھا

دانتوں کے امراض (امراض اسنان):۔

سیب Mouth Cleaning خاصیت کا حامل ہونے کی وجہ سے دانتوں میں کیڑا لگنے کے عمل کو روکتا ہے۔ڈاکٹر ٹی ٹی چینکس اپنی کتاب Dental Survey میں لکھتا ہے کہ کھانے کے بعد سیب کا کھانا وہی اثر رکھتا ہے جو کھانے کے بعد دانت صاف کرنے کے لیے برش کا استعمال۔مزید آں سیب میں موجود تیزابیت غذائی اہمیت کے علاوہ منہ میں لعاب کے جاری ہونے میں بھی مددگار ہے۔سیب میں موجود تیزابیت بطور جراثیم کش کے طور پر منہ اور دانتوں میں پائے جانے والے جراثیم کو ختم کر دیتی ہے ہم سیب کو دانتوں کا قدرتی محافظ کہہ سکتے ہیں اور دانتوں کی تمام تکالیف میں سیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

شربت سیب بنانے کا طریقہ:۔

شربت سیب دل اور معدہ کو قوت دیتا ہے مفرح قلب ہے۔ وسواس سوداوی کے لیے بے حد نافع ہے معدہ کی گرمی کو ختم کرتا ہے۔ صفراوی قے اور دستوں کو روکتا ہے۔سیب شیریں کو چھلکوں اور دانتوں سے صاف کر لیں اور لکڑی سے کوٹ کو نچوڑ لیں آب سیب شیریں اگر ڈھائی کلو ہو تو اس قدر جوش دیں کہ آدھا کلو باقی رہے۔پھر آدھ کلو شکر سفید ملا کر قوام بنالیں۔صبح کو دو تولہ شربت پانی میں ملا کر استعمال کریں۔

ان کے علاوہ سیب

1۔جسم میں کینسر (Cancer) کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کرتا ہے۔

2۔سیب میں موجود فولاد ہڈیوں کو مضبوط بناتا ہے اور جوڑوں کے درد سے نجات دلاتا ہے۔

3۔سیب میں موجود وٹامن سی روزمرہ کے کاموں میں ہونے والی تھکاوٹ، ذہنی پریشانی اور جسمانی کمزوری کے تدارک کے لیے موثر علاج ہے۔

4۔ہفتہ میں پانچ سے چھ سیب کھانے پھیپھڑوں کی بہت سے بیماریاں اور تکالیف دور ہوجاتی ہیں۔

5۔کھانسی کے لیے ایک پختہ سیب لے کر اس کو کوٹ کر صاف کپڑے سے رس نچوڑ کر چینی ملا کر استعمال کرنا مفید ہے۔

6۔بخار کی حالت میں مریض کو سیب کھلائیں اس سے حرارت کو تسکین ملتی ہے جو بخار دور کرنے کے لیے ضروری ہے۔

7۔معدہ کی کمزوری کے باعث بھوک کم ہوجانے کی صورت میں تازہ سیب لے کر اس کا رس نکال لیں۔اس میں قدرے سیاہ مرچ، زیرہ اور نمک ملا کر پینا مفید ہے۔

8۔سیب کے چھلکوں کی چائے میں شہد اور لیموں کا رس ملا کر پینے سے جسمانی اور ذہنی توانائی میں اضافہ ہوتا ہے۔

9۔سیب میں موجود فاسفورس سے دوسرے پھلوں کی نسبت دماغ و اعصاب کو تقویت ملتی ہے۔

ضرورت رشتہ

اکلوتی بیٹی، رہائش راولپنڈی، عمر 23 سال، حافظہ قرآن، تعلیم ایم اے ایجوکیشن (فاطمہ جناح یونیورسٹی) سٹوڈنٹ ایم۔ایس (فاؤنڈیشن یونیورسٹی) کے لیے کیپٹن/انجینئر/ڈاکٹر کا رشتہ درکار ہے۔

نیک اور شریف خاندان اور اسلام آباد/راولپنڈی کا رہائشی ہو۔

والدین ان نمبروں پر رابطہ کریں

0336-5726164, 0304-4521938

قارئین اپنی صوابدید پر معاملہ کریں۔ادارہ اور سلسلہ عالیہ ہر قسم کی ذمہ داری سے مستثنیٰ ہیں

the person, who claims to be Allah's Prophet and then compare with my slaves adorned with bracelets and ornaments. He asked them that Had Moosa (AS) been Allahs's servant Allah's ambassador, or representative would he be dressed so shabbily and poorly? So for a person who was so arrogant and had claimed divinity for himself, it was not an easy task, to inform him that he too was Allah's slave and it was better that he surrender to His (swt) will. It was a very dangerous task, hence the Refulgence witnessed by Prophet Moosa (AS) was commensurate to the office he (AS) was given, and the perilous mission he (AS) was assigned.

The Divine Refulgence which a seeker (صوفی) experiences, or is blessed by Allah (swt) is also in accordance with their individual capacities, ranks and active service (of propogation and reformation) being carried out by them. The result are managed by Allah (swt) Himself. Nobody, can be taken as a yardstick, in these matters. Hence no two seekers can have identical visions. Each seeker has his own capacity, his own status and his own scope of action. The aspect of Divine Refulgence which a seeker witnesses, or the reflection of Attributive Refulgence which a seeker is blessed with has two factors. First of all it is his own capacity and caliber and secondly the gravity of his assignment, as to what kind of service he is doing for Islam. Both these factors are essentially linked and are compulsory. If a seeker is not doing any service to faith, and has become a recluse, away from habitation, then not, only that he should forget about Divine Refulgence, but also his meditations, will not progress any further.

Hazrat Allah Yar Khan (RUA) would narrate how Hazrat Ba Yazeed Bustami (RUA) was expelled by the ruler into the forest, as the saint was so popular, that the ruler felt insecure. He felt that the masses might place the saint on the throne and throw him out of power. Hence Hazrat Ba Yazeed Bustami (RUA), was sent away from the habitation and people were barred from visiting him, except for one servant who could stay with him. Hazrat Allah Yar (RUA) said that from the day the saint went to the forest, till the day he passed away, his meditations and spiritual stations remained the same, as much as he had attained till the day he came to the forest. Although he lived on in the forest and continued to do Zikr Alllah, but he did not get any spiritual promotion as such. The reason being that his interaction and dealings with the people had ceased, while promotion is always granted upon dealings. How truthful a person is, how legal is his earning, how much is the spending and what is he doing to propagate Islam, verbally and practically, will determine his spiritual progress. So real progress is based on good, fair dealings. Worshipping alone, is not sufficient for progress. The worships are not of spiritual elevation, but are vital for making the dealings credible and pure. As stated is surah Ankaboot aya 45 "Lo! Worship preserveth from lewedness and inquity." (اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ)

In other words worships are the root of reformation of conduct and a reformed conduct is the basis of spiritual elevation.

Continued

Divine Splendour and we cannot assess the dimensions of His (swt) Splendour when we speak of our worldly emotions. We say, my beloved is so beautiful, she has beautiful eyes or she has a beautiful nose, or he is tall and has an illuminated face. So we do end up counting a few traits of his or her exellence, however, when it comes to Allah's (swt) Splendour, can anyone count the dimensions of His (swt) splendour? We certainly cannot count the unlimited aspects and dimensions of Divine Grace!

Which dimensions of His (swt) Refulgence will be reflected, is decided according to the status of the person upon whom it is unveiled, and also in accordance with the assignment that has been handed over to him. The manifestation of His (swt) Refulgence will strengthen his heart and facilitate his work. Hence, when Prophet Moosa (AS) witnessed the Divine Refulgence, it was after this beholding that he (AS), was appointed as Allah's Prophet (AS) and was commanded to go unto Pharoah. So the job assigned to Prophet Moosa (AS), who was an exalted resolute Prophet, was to convey Allah's message to the most arrogant ruler of Egypt, who was worshipped as God by the people. Just imagine the grandeur of the Pharohs who had ruled Egypt, generation after generation, for four centuries. The common masses, believed that the Pharoahs were from a different planet, whom Allah (swt) had sent unto them, to be worshipped, because they were His (swt) progeny. This was their basic belief and therefore they prostrated before Pharaohs. It may be noted that, when a human being goes astray he derails in a strange manner; while the masses prostrated before Pharaoh, he himself prostrated before idols! It was a strange medley of beliefs. The chieftains of Pharaohs court raised the point, as stated in the Quran, that it was Prophet Moosa (AS) who spoke against his idols; yet he let Prophet Moosa (AS) walk free, and persecuted the magicians. It was a state of utter confusion. Moreover, Pharoah's wealth was beyond calculation. He and his chieftains had so much wealth that they could built palaces of gold, even the attendants in his royal court wore heavy gold ornaments and waist belts of gold. The kingdom had the largest and well equipped army, whereby ,most of the other states never dared to attack them. However if any country, ever attempted to attack them, it was crushed and defeated. If the history of the wars of Pharoahs, is studied, it leaves the readers flabergasted, as to how they had developed excellent warfare strategy and techniques. It was amazing how in that era, they had invented such weapons that would cause mass destruction of the enemy's army. So, imagine that a Pharoah with such a power and might, with a legacy of four century old monarchy, and a claim to be God, is addressed by a person who has no worldly provisions!, as Prophets Moosa (AS) reached Pharoah's Court without any army or weapons carrying his staff in his hand. He (AS) was wearing a garb which was improvised as a shirt from a blanket, and the sides had been pinned up with big thorns. The shoes he (AS) wore were simple sandals made of crude leather. This is why Pharoah said, sarcastically, to his Chieftans to look at

Question / Answers

Devine Refulgence and Beholding Allah (swt)

Translated speech of

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

.1: The sufi saints often speak of the manifestation of Allah's refulgence (تجلیات ذاتیہ) but never say anything about beholding Him (swt). Please elaborate upon the difference between beholding Divine refulgence (تجلیات ذاتیہ) and Allah (swt) himself?

Ans: First part was published in Feb, 2015 Issue. The remaining part is given below.

As far as the difference between witnessing Divine Refulgence of Allah (swt) and of His(swt) Being is concerned, that too can be understood from the incident of Prophet Moosa (AS).When He (AS) reached the valley, he (AS) saw light, which he mistook as fire kindled by someone. Hence he (AS) told his family to sit and wait, while He (AS) could go and find out if there was some habitat. Further, in the habitat if there was someone who could guide him (AS) about the way, as well as give him (AS) some fire, which they may kindle to comfort them on a cold night. However when he (AS) reached that place, he (AS) saw a light which had engulfed the tree. He (AS) thought that the tree was burning, when he saw if from a distance. He (AS) heard ((إِنِّي أَنَا رَبُّكَ (طٰہٰ) "O' Moosa (AS) I am your Rabb," but when at another occasion Prophet Moosa (AS) had requested "رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ (الاعراف: 143) "I wish to see you O' Rabb," he (AS) was told (لن ترانی) , "you (AS) cannot see Me," So this means that it was not Allah (swt) himself, but His Personal Refulgence that could be seen. If it was Allah himself then why would have Prophet Moosa (AS) requested to see Him (swt), if he (AS) had already seen Him (swt)? Although the words being said are (إِنِّي أَنَا رَبُّكَ) "Moosa (AS) I am your Rabb". It was Allah's choice that He (swt) chose the tree or bush for manifesting His (swt) splendour or Refulgence (تجلّی). He (swt) wanted to converse with His (SWT) Prophet (AS), and He (swt) could have selected any medium, be it a mountain, a rock or any particle. It was His (swt) decision to manifest His (swt) Refulgence upon the tree or bush. This world is a realm of Causes and Effects (عالم اسباب) and Allah (swt) does not violate His (swt) own rules. Behind every effect there is a cause. What we assess as a coincidence or an accident also has a cause behind it. The accidents are not in reality, but we don't understand them (their reality) so we declare the events as accidental.

So this is the difference between seeing Divine Refulgence and seeing Allah (swt) himself. for Prophet Moosa (AS) saw His (swt) Refulgence at the time when he (AS) was being annunciated as a Prophet (AS), but desired, much later, to behold Him (swt) in Person. Refulgence is a reflection of

achievement of his entirelife!

I have pieces of my heart to sell.
And what is the price you aspire
My price is a Glance on me to dwell.
'Tisfar too high what you desire!
Reduce it! And it will do you well.
I'd gladly give the pieces entire,
For just once, in my temporal spell
Only a fleeting Glance,to acquire!

For a long time,Hazrat Ji rua had been restlessly longing for an attendance at theHaramain Shareefain(the two most sacredMasjids at Makkah and Madinah: the K'abah and the Masjid-e Nabvi)but the evident circumstances hitherto had been unfavourable. It was on a historic day during the Annual Ijtema' in July 1970,when in one of those auspicious moments during the Maraqbah Fana Fir Rasool saws,Hazrat Ji rua amassed the courage to submit his heart's plea in the Court of the Holy Prophet saws:

'Using the sea route to present myself for attendance is proving difficult, I have applied many times but my name has failed to come up in the Hajj Ballot.'

The reply from the Holy Prophet-saws was':This time you must come, by whichever means you can.'

The performance of Hajj,once during the lifetime,is compulsory for a man with resources, but for some personalities this attendance is a duty, although they may be exempted under the rules of the Shari'ah.There are numerous examples among the accounts of the Ahl Allah, who despite want and privation undertook the journey on foot to the Haramain Shareefain.Keeping aside the call of love,at times this attendance is necessary in reference to the stations and the ranks in Sulook. In a letter dated 3rd March 1969,Hazrat Ji rua stated one of the reasons for his going for Hajj;'Bymy going for Hajj and the attendance at the Court of the Holy Prophet saws, the offices of Ghaus, Qutb, Abdal etc all these offices will be transferred to our Silsilah.'

It was a long awaited desire of Hazrat Ji rua's to visit the House of Allah swt and to present himself at the Holy Threshold and when he received permission from the Holy Court-saws, he ordered'get the passports ready and giveup the idea of the Hajj ballot. Now that we have been summoned, it is necessary that we leave.'

A naval officer undertook the responsibility of arranging the journey by sea, but when he was unsuccessful, it was decided to go by air. Eight Ahbab promptly decided to accompany Hazrat Ji rua for the performance of Hajj, but without their having made any prior preparation. There were very few days left to obtain the visa, but the process of obtaining the passports was still pending. As the Director of the Lahore Passport Office belonged to East Pakistan(now Bangladesh,)Major ZainulAbideen tried to expedite the matter by meeting with him but despite every effort he failed. The series of failures, from his name not appearing on the ballot, the failure of the Naval officer in obtaining a sea passage, and the helplessness of a Bengali officer to obtain assistance from another Bengali officer, pointed to the fact that Hazrat Ji rua's Hajj journey was beyond the scope of visible or apparent means.

tongue was Arabic, would ask for the meaning of the Holy Quran from the Holy Prophet-saws. Now after 1400years, a man from Garhi Shahu Lahore claims that'if anyone has understood the Quran, that is me no one else has understood it in 1400years'!Should we listen to him or to our Holy Prophet-saws

The audience at the assembly respectfully listened to Hazrat Ji-rua and remained silent, but Captain Ghaus's brother could not contain himself and cried out' ,Pervez is a liar '!When the assembly concluded, this gentleman was asked that he had come armed with eight questions, including the question about Jabr and Qadr(the Doctrines of Fatalism and Pre-Destination)and had claimed that no one could answer them, then why did he not ask these from Hazrat Ji-rua. He replied'Let go buddies! When the religion itself was found to be false, why ask questions about it

Zikr session commenced after Maghrib Salah, and as per routine, the lights were switched off. After a while a cry was heard',The wall has broken, the wall has broken down '!It was Qari Dost Muhammad, in whose heart the magic of Pervaiziyat had recently been shattered. He felt that the wall on the right had been knocked down and a strong light from outside was streaming in. But when he opened his eyes, he saw that the wall was perfectly intact and the light too was switched off. This overwhelming feeling was actually due to the shower of lights by virtue of Hazrat Ji-rua's Tawajjuh coming from his right side, which he interpreted as the razed wall letting in the light.

An interview by Ghulam Ahmad Pervaiz was published in 1973 ,in which he mentioned of his unsuccessful experiment on account of Tasawwuf. On Hazrat Ji-rua's wish, Hazrat Ameer ul Mukarram-mza sent him an invitation to correct himself by means of Tasawwuf. He sent back a reply on the 3rd of September 1973 ,that when his life entered the period of doubts and suspicion, all his previous belief and faith in Tasawwuf vanished. Thereby, he closed even this door for his own reformation. Although his reformation could not take place however, the responsibility of Ittemam-e Hujjat (conveying the issue correctly and completely, not leaving any excuse with him)was duly fulfilled.

Chapter 24

Fulfilment of theHajj Obligation

Not with standing the paramount significance of the stations in Sulook,yet for a seeker there is no moment more precious than,when after passing through the screens and veils of the Rauza-e Athar, his Rooh offersSalaat and Salaam directly before the Holy Presence saws, or those moments when he can spiritually attend the Court of the Holy Prophet saws. If during this attendance,he is fortunate to receive a glance from the Holy Prophet saws,perhaps even just once in his lifetime, that moment becomes the prized

Hayat-e-Javidan Chapter 23 & 24-

A Life Eternal(Translation)

Repudiation of Pervaiziyat

FromPreviousMonth Continued

Hazrat Ji-rua spent years at Langar Makhdoom and it was only due to the sacrifices of his mother that he remained free from all types of domestic anxieties.

We salute and send Salaams on those great mothers, who happily send off their young, tender children in the service of the Deen, like Hazrat Abdul Qadir Jilani-rua's mother, or in the case of Hazrat Ji-rua, his noble mother, who in her old age hoisted the load of responsibilities on her feeble shoulders, so that no obstacle remained for the attainment of knowledge and the spiritual education of her son. May Allah (swt) shower His countless and never ending Blessings on these grand and great noble mothers and may He (swt) raise their status with every passing moment. Ameen.

On the 2nd of December 1966 ,the dead body of Hazrat Ji-rua's honourable mother was still at home but despite this sad circumstance, he was writing out his strong condemnation of the attack on the Holy Quran by the Fitnah of Pervaiziyat. As always, that day too, this grand lady was not an obstruction but a means of lending him her support. Picture the scene when the beloved mother's body is lying at home prior to her burial people, relatives and friends are streaming in to offer condolences, the depth of sadness in his heart is inconceivable, Hazrat Ji-rua is himself unwell, but to root out this falsehood, he cannot bring himself to delay the response for even a moment.

Qari Dost Muhammad, the elder brother of Hazrat Ji-rua's righteous student Captain Ghaus, despite being an Alim, came under the influence of Pervaiziyat, so much so that he was considered one of the deputies of Ghulam Ahmad Pervez. In 1968 ,when Hazrat Ji-rua came to Risalpur, Ghaus sent an urgent telegram to his brother to reach Risalpur. When the brother arrived and discovered that he had been summoned for a meeting with Hazrat Ji-rua, he was very annoyed that he had been made to waste his time, as Hazrat Ji-rua could not possibly address any of his queries.

After Asr Salah Hazrat Ji-rua's assembly commenced and he-rua of his own accord started a discourse:

'Deen is only that that has been given to us by the Holy Prophet-saws, the later generations changed it. Now reflect the Sahabah Karaam-rau, whose mother

MONTHLY
Al-Murshid

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَلَسَ
قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيهِ وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَإِنْ
شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ

Narrated by Hazrat Abu Huraira (RAU) that the Prophet (SAWS) said that a gathering where a person did not remember Allah and did not send salutations upon the Prophet (SAWS); that time, place and activity will become a curse for him. It is upto Allah whether he punishes him or forgives him.

Jamadiul Awwal 1436H

March 2015

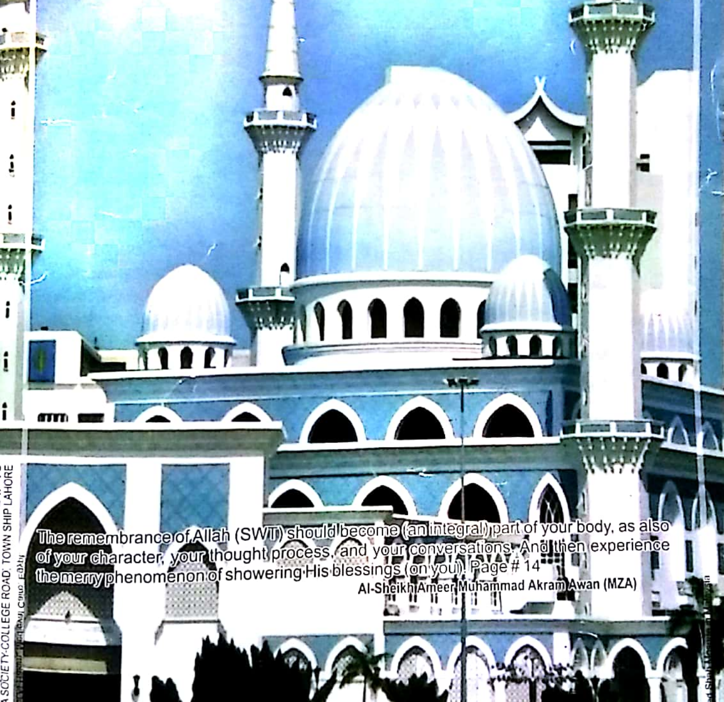

The remembrance of Allah (SWT) should become (an integral) part of your body, as also of your character, your thought process, and your conversations. And then experience the merry phenomenon of showering His blessings (on you). Page # 14

Al-Sheikh Ameer Muhammad Akram Awan (MZA)

A SOCIETY-COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے
آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی۔ڈی۔ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی۔ڈی۔ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255